بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمود ، فاروق ، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید ۱۵۹

مُردے چور

اشتیاق احمد

دو باتیں

السلام علیکم!

آپ نے وہ ضرب المثل تو سُنی رکھی ہو گی کہ جتنی چادر دیکھو، اتنے پاؤں پھیلاؤ۔ اس کا دُوسرا مطلب یہ لیا جا سکتا ہے کہ قناعت کرو۔ آج کی دُنیا میں۔ یعنی مادی اور رنگ و بُو کی دُنیا میں۔ جس کی وقعت ایک مُردار جانور سے زیادہ نہیں، اگر دیکھا جائے تو بس ایک چیز آپ کو ڈھونڈے سے نہیں ملے گی۔ جب کہ اس کی ضرورت بے تحاشا ہے۔ اس قدر کہ بیان نہیں کی جا سکتی۔ اور اگر یہ چیز وافر مقدار میں لوگوں کو نصیب ہو جائے۔ تو پھر یقین جانیں۔ کسی چیز کی بھی کمی محسوس نہیں ہو گی۔ کوئی حسرت اور کوئی تمنا نہیں رہے گی۔ سب لوگ ہشاش بشاش، خوش و خرم اور مطمئن نظر آئیں گے۔ یُوں محسوس ہو گا۔ جیسے انہیں دُنیا بھر کی دولت مل گئی ہے۔ اور وہ چیز ہے۔ قناعت۔

آپ کا کیا خیال ہے اس بارے میں۔

ہیں جی!

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں —
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا —
- کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں —
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا —
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں۔ پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔ شکریہ!

مخلص:

اشتیاق احمد

بک.....بک

ڈاکٹر بورے والا نے چادر الٹی اور پھر دھک سے رہ گئے۔ پھر انھوں نے جلدی سے اپنے اسسٹنٹ ڈاکٹر شاد کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ بھی دھواں ہو رہا تھا — سرد کمرے میں بھی ان دونوں کی پیشانیاں پسینے سے تر ہو گئیں۔ آخر وہ لڑکھڑاتے قدموں سے سرد کمرے سے باہر نکل آئے اور اپنے دفتر میں آکر بیٹھ گئے۔ ان کے سانس زور زور سے چل رہے تھے —

"ہم نے کوئی خواب تو نہیں دیکھا۔" ڈاکٹر بورے والا نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔

"ایسا محسوس تو نہیں ہوتا۔" ڈاکٹر شاد نے جلدی سے کہا —

"تب پھر یہ کیا ہے؟"

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"ٹھہرو۔ میں کوشش کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر انھوں نے گھنٹی
بجائی۔ فوراً ہی ان کا چپراسی اندر داخل ہوا:

"سرفرازی کو بلاؤ۔"

"او کے سر!" چپراسی نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔
جلد ہی ایک پتلا دبلا آدمی اندر داخل ہوا۔ اس کی ناک
کی نوک پر عینک ٹکی ہوئی تھی۔

"یس سر۔ میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"رات تم کتنے بجے گئے تھے؟" ڈاکٹر بورے والا نے
پوچھا۔

"جی۔ ٹھیک آٹھ بجے۔" اس نے کہا۔

"اور رمضان۔ تمھارے سامنے ہی آگیا تھا؟"

"جی ہاں۔ بالکل!"

"لاش تمھاری موجودگی میں آئی تھی؟"

"جی ہاں۔ بالکل۔ میں رمضان کو اس کے بارے میں
بتا کر چلا گیا تھا۔"

"اور صبح۔ تم کتنے بجے آئے؟"

"ٹھیک آٹھ بجے۔" اس نے کہا۔

"رمضان اس وقت ڈیوٹی پر موجود تھا؟"

"جی نہیں۔ وہ مجھے نہیں ملا۔ میرے آنے سے پہلے ہی

جا چکا تھا۔"

"کیوں۔ کیا وہ تمھارے آنے کے بعد نہیں جاتا۔"

"جی ہاں۔ ہر روز تو وہ ایسا ہی کرتا ہے، لیکن آج
نہ جانے کیوں وقت سے پہلے چلا گیا، اس پر حیرت
مجھے بھی ہوئی تھی، پھر میں نے سوچا کہ شاید اسے کوئی
فوری ضرورت آپڑی ہو۔ بہرحال وہ آپ کی میز پر
رقعہ چھوڑ گیا تھا۔ میں نے اس رقعے کو پڑھ لیا تھا۔
اس پر صرف اتنا لکھا تھا کہ ایک لاش اندر موجود ہے
پوسٹ مارٹم کے لیے۔ میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔"

"ہاں! وہ رقعہ پڑھ کر ہی میں اور ڈاکٹر شاد اندر گئے
تھے۔" ڈاکٹر صاحب بولے۔

"تو پھر۔ ہوا کیا سر؟"

"ہوا یہ کہ لاش اندر موجود نہیں ہے۔"

"کیا!" سرفرازی نے چلا کر کہا۔ اور پھر اس کے چہرے
پر بھی دہشت کے آثار طاری ہو گئے:

"یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"اندر جا کر دیکھ لو۔ معلوم ہو جائے گا کہ یہ کیسے ہو
سکتا ہے۔"

سرفرازی فوراً مڑا اور باہر نکل گیا، جلد ہی وہ پھر

دفتر میں داخل ہوا:

"لاش تو واقعی اندر نہیں ہے۔"

"یہی تو ہم کہتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ لاش کہاں گئی۔"

"لل۔ لیکن سر۔ اس سے بھی زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ لاش کہیں جا کیسے سکتی ہے۔"

"ہاں! یہ بھی ہے۔ اُلجھن بڑھتی جا رہی ہے۔ ہمیں رمضان کو فوراً یہاں بلانا ہو گا۔" ڈاکٹر بورے والا نے کہا اور پھر فون کی طرف ہاتھ بڑھا دیے۔ انھوں نے جلدی جلدی رمضان کے نمبر ملائے اور پھر بولے:

"ہیلو رمضان! ڈاکٹر بورے والا بول رہا ہوں۔ مجھے افسوس ہے، میں نے تمھیں سوتے میں جگا دیا۔ کیا تم فوری طور پر یہاں آ سکتے ہو۔ ہاں۔ بہت ہی ضروری کام ہے۔ لیکن ہم تمھیں زیادہ دیر کے لیے نہیں روکیں گے۔ ہاں۔ شکریہ۔"

انھوں نے ریسیور رکھ دیا اور بولے:

"رمضان آ رہا ہے۔"

"گویا ہمیں اس کا انتظار کرنا ہو گا۔"

"ہاں! مجبوری ہے۔" ڈاکٹر بورے والا نے کندھے اچکائے۔

آخر ایک درمیانے قد کا بھاری بھرکم جسم والا آدمی اندر داخل ہوا۔

"آؤ رمضان۔ بیٹھو۔" ڈاکٹر بورے والا نے نرم آواز میں کہا۔

"خیر تو ہے ڈاکٹر صاحب۔ آپ لوگ بہت فکر مند لگ رہے ہیں۔"

"رات جب تم آئے۔ اس وقت یہاں مسٹر سرفرازی موجود تھے نا۔" ڈاکٹر صاحب بولے۔

"جی ہاں بالکل۔ میں نے یہاں پہنچ کر انھیں جانے کے لیے کہا تھا۔"

"اور پھر رات بھر تم نے ڈیوٹی دی؟"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"سرفرازی کی موجودگی میں ہی ایک لاش پوسٹ مارٹم کے لیے آئی تھی۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"جی ہاں۔ بالکل ٹھیک۔"

"پھر سرفرازی تمھیں وہ لاش دکھا کر اپنے گھر چلا گیا اور تم یہاں رہ گئے۔"

"جی ہاں! یہی بات ہے۔"

"لیکن صبح تم اسے یہاں نہیں ملے۔ تم ایک رقعہ چھوڑ

کر چلے گئے تھے۔"

"ہاں جناب میری طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔ میں گھر گیا۔ اسپرین کھائی اور سو گیا۔ آپ کے فون کی گھنٹی کی آواز سُن کر میری آنکھ کھلی۔"

"تم نے کیا کہا۔ تمھاری طبیعت خراب ہو گئی تھی۔" ڈاکٹر بورے والا نے چونک کر کہا۔

"جی ہاں یہی بات ہے۔"

"لیکن بھئی۔ رقعے میں تو تم نے لکھا ہے کہ ایک ضروری کام سے جانا پڑ گیا ہے۔"

"ج۔ جی۔ جی ہاں! میں نے یہی لکھا تھا۔"

"تم یہ بھی تو لکھ سکتے تھے کہ طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے میں یہاں نہیں ٹھہر سکا۔" ڈاکٹر بورے والا نے کہا۔

"مجھے یہی لکھنا چاہیے تھا۔ افسوس! میں نے غلط لکھ دیا۔ لیکن جناب۔ بات کیا ہے۔ آپ اتنے سوالات مجھ سے کیوں کر رہے ہیں۔" رمضان نے اُلجھ کر کہا۔

"اس لیے کہ۔"

ڈاکٹر بورے والا کے الفاظ درمیان میں رہ گئے، اسی وقت بھاری قدموں کی آواز سُنائی دی تھی۔ اور پھر ایک پولیس سب انسپکٹر اندر داخل ہوا:

"ڈی ایس پی ماجد کی طرف سے آیا ہوں سر۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے لیے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"کیوں جناب۔ کیا ہوا۔ خیر تو ہے۔ کیا اسے واقعی زہر دیا گیا تھا؟" سب انسپکٹر نے جلدی سے کہا۔

"زہر!" ان کے منہ سے نکلا۔

"جی ہاں! اس شخص کی بیوی کا یہی خیال ہے کہ اس کے بھائیوں نے اسے زہر دے کر ہلاک کیا ہے۔ جب کہ بھائیوں کا بیان یہ ہے کہ ان کا بھائی دل کا مریض تھا، دل کا دورہ پڑا اور مر گیا۔"

"اور اس کی بیوی نے پولیس کو فون کر دیا ہو گا جس کی بنا پر پوسٹ مارٹم کرانے کا فیصلہ کیا گیا۔"

"جی ہاں! یہی بات ہے۔ کیا ابھی تک آپ نے پوسٹ مارٹم نہیں کیا؟"

"رات لاش یہاں آئی تھی۔ پوسٹ مارٹم کس وقت ہوتا۔" ڈاکٹر بورے والا نے بُرا مان کر کہا۔

"اوہ ہاں! خیر۔ میں پھر آ جاؤں گا۔ آپ وقت بتا دیں۔"

"افسوس! میں وقت نہیں بتا سکتا۔" انھوں نے کہا۔

"آپ وقت نہیں بتا سکتے۔ کیوں۔ کیا بہت پیچیدہ

پوسٹ مارٹم ہے۔"

"نہیں۔ سرد خانے سے لاش غائب ہے۔"

"کیا۔ لاش غائب ہے۔" سب انسپکٹر اور رمضان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہاں! لاش غائب ہے۔"

"یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" رمضان بڑبڑایا۔

"اس کی ذمے داری صرف اور صرف تم پر عاید ہوتی ہے رمضان۔ تمھیں ڈیوٹی سے غیر حاضر نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

"م م۔ میں کیا کرتا جناب۔ میری طبیعت ۔۔"

"تمھیں چاہیے تھا۔ سرفرازی کو فون کر دیتے۔"

"ہاں! یہ مجھ سے غلطی ہوئی۔"

"اب ہم وارثوں کو لاش کہاں سے دیں۔"

"اور یہ معاملہ بھی طے نہیں ہو سکے گا کہ اسے زہر دیا گیا تھا یا نہیں۔" سب انسپکٹر نے پریشان ہو کر کہا۔

"معاملہ بہت غلط سلط ہو گیا ہے۔" ڈاکٹر شاد نے کہا۔

"آپ کو پولیس میں رپورٹ کرنا ہوگی۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"اوہ۔ ہاں واقعی۔ پہلا کام تو یہی کرنا چاہیے۔" ڈاکٹر بورے والا نے چونک کر کہا، پھر انھوں نے فون کا ریسیور اٹھایا

اور متعلقہ پولیس اسٹیشن کے نمبر گھمانے لگے۔

★

"ٹھک۔ ٹھک۔ ٹھک۔"

اس آواز نے انھیں چونکا دیا۔ کان کھڑے ہو گئے۔

"یہ کیسی آواز ہے۔" محمود بولا۔

"کوئی خزانہ وزانہ تلاش کیا جا رہا ہو گا۔ چھوڑو۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کوئی جرم کیا جا رہا ہو۔"

"تمھیں تو بس۔ ہر طرف جرم ہی جرم نظر آتا ہے۔ کبھی کوئی اور چیز بھی دیکھ لیا کرو۔" فاروق نے جل بھن کر کہا۔

"وہ تم جو دیکھتے رہتے ہو۔" محمود نے اسے گھورا۔

"اگر زیادہ گھورنے کی کوشش کی تو میں واپس چل دوں گا۔"

"تو میرا کیا نقصان کرو گے۔ مجھے گھر کا راستا آتا ہے۔" محمود نے بھی فوراً کہا۔

"اوہو اچھا۔ میرا خیال تھا۔ نہیں آتا ہو گا۔"

"آواز اس طرف سے آ رہی ہے۔" اس نے گویا فاروق کا جملہ سنا ہی نہیں۔

"اس طرف کی بجائے اگر اس طرف سے بھی آئے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ ہمیں کیا۔ کسی طرف سے بھی آئے۔" فاروق نے کندھے اچکائے۔

"لیکن میں یہ دیکھے بغیر نہیں جاؤں گا کہ یہ آوازیں کیسی ہیں۔ اور وہ بھی اتنے صبح سویرے۔"

"گویا اتنے صبح سویرے یہ آوازیں نہ آتیں تو تم توجہ نہ دیتے۔"

"نہیں۔ دن کے وقت جرم نہیں کیے جاتے۔"

"آج کل تو دن دہاڑے ڈاکے پڑ جاتے ہیں۔"

"ڈاکے پڑنا اور بات ہے۔ چوری چھپے جرم کرنے والے رات کا انتظار کرتے ہیں۔"

"کرتے ہوں گے۔ ہمیں کیا۔"

"اچھا تو پھر تم سیدھے چلے جاؤ۔ میں اس طرف جا رہا ہوں۔" محمود نے بھنّا کر کہا اور جلدی سے مُڑ گیا۔ ساتھ ہی اس نے فاروق کو بھی مڑتے دیکھا:

"اب کیوں آ رہے ہو اس طرف؟"

"تو اور کیا کروں۔ مجبوری ہے۔" فاروق نے بے چارگی

کے عالم میں کہا۔

دونوں آوازوں کی طرف قدم اٹھاتے رہے۔ یہاں تک کر انھوں نے دو آدمیوں کو دیکھ لیا۔ ان میں سے ایک پھاوڑے سے زمین کھود رہا تھا۔ اور دوسرا کھڑا اسے دیکھ رہا تھا:

"یہ کیا ہو رہا ہے بھئی؟" محمود نے پُر سکون آواز میں کہا۔

"ارے باپ رے۔" وہ بوکھلا اُٹھے۔ پھاوڑا بھی ہاتھ سے گر گیا۔ گھبرا کر ان کی طرف دیکھا اور پھر جیسے انھیں کچھ حوصلہ ہو گیا، کیوں کہ سامنے صرف دو لڑکے کھڑے تھے۔

"یہ۔ بک۔ بک۔" ایک نے کہا۔

"بک بک کیا مطلب۔ کیا ہم بک بک کر رہے ہیں؟" فاروق نے انھیں گھورا۔

"نن۔ نہیں۔ یہ مطلب نہیں تھا۔ ہماری پیاری بکری۔ مم۔ مر گئی ہے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"بالکل بچّی تھی۔ جب سے ہم نے اسے پالا تھا، لیکن افسوس، بے چاری مر گئی۔ اب ہم اسے دفن کر رہے ہیں۔ اور کیا کر سکتے ہیں؟"

"خاکروب کے حوالے کر دیتے۔" محمود نے کہا۔

"ہمیں اس سے بہت محبت پیدا ہو گئی تھی۔ ایسا نہیں کر سکتے۔"

"ہوں۔ کیا ہم مُردہ بکری کو دیکھ سکتے ہیں؟"

"ج۔ جی ہاں۔ ضرور۔ کیوں نہیں۔" انھوں نے کہا اور نزدیک ہی رکھے ایک ٹوکرے کی طرف اشارہ کیا۔

"گویا آپ اس ٹوکرے میں رکھ کر بکری کو لائے ہیں۔"

"جی ہاں! اور کیا کرتے۔"

"لیکن بھئی۔ آپ لوگوں کو اتنے صبح سویرے آنے کی کیا ضرورت تھی۔ دن نکلنے پر آ گئے ہوتے۔" فاروق نے اعتراض کیا۔

"اس وقت ہر آدمی پوچھتا۔ یہ کیا لے جا رہے ہو۔ اب آپ نے بھی پوچھ لیا نا۔" ایک نے کہا۔

"ہوں۔ بات تو یہ بھی ٹھیک ہے۔" محمود نے کہا اور ٹوکرے کی طرف بڑھ گیا۔ ٹوکرے پر ایک کپڑا ڈھکا ہوا تھا۔ اس نے کپڑا اُٹھا کر دیکھا۔ نیچے واقعی ایک بکری کی لاش موجود تھی۔

محمود نے کپڑا چھوڑ دیا اور ان کی طرف مُڑا:

"یہ تو واقعی بکری کی لاش ہے۔"

"تت۔ تو آپ کیا سمجھے تھے؟"

"ہم نے سوچا تھا۔ شاید آپ کسی انسان کی لاش دفن کر رہے ہیں۔"

"ارے باپ رے۔ آپ نے تو ہمیں ڈرا ہی دیا۔ مہربانی فرما کر اس قدر خوفناک باتیں نہ کریں۔ کہیں ہم میں سے کسی کا ہارٹ نہ فیل ہو جائے۔"

"اوہ معاف کرنا بھئی۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ آپ اس قدر کمزور دل ہیں۔ اچھا اللہ حافظ۔" محمود نے کہا۔

"اللہ حافظ۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

دونوں اپنے راستے پر ہو لیے:

"وقت ہی ضائع کیا۔" فارُوق نے منہ بنایا۔

"وہ کیسے۔ سیر کرنے نکلے ہیں۔ واپسی کا وقت ہو جائے گا تو مُڑ جائیں گے۔" محمود نے کہا۔

"چلو خیر۔ نہیں کیا ہوگا وقت ضائع۔ فائدہ تو کوئی نہیں ہوا۔" فارُوق نے پھر کہا۔

"اب تم سے کون مغز مارے۔"

"تم۔ یہاں اور ہے ہی کون۔" فارُوق مُسکرایا۔

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھلّا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

"لے دے کے بس تمھارے پاس یہی رہ گیا ہے۔ دھت تیرے کی۔"

سیر سے واپس پلٹے تو فرزانہ ناشتے کی میز پر تیار بیٹھی تھی اور اخبار پر جھکی ہوئی تھی - اسی وقت انسپکٹر جمشید غسل خانے سے نکل آئے اور محمود نے غسل خانے کی راہ لی -

بیگم جمشید ناشتا لگا چکی تھیں جب وہ دونوں بھی میز پر آگئے اور اسی وقت فرزانہ کی آواز نے انھیں اپنی طرف متوجہ کر لیا :

" ایک خبر ہے - کچھ عجیب سی - سناؤں ؟"

" ہم خود ہی پڑھ لیں گے - اخبار ادھر دے دو ۔"

" یوں مزا نہیں آئے گا - میں ہی سناؤں گی ۔" فرزانہ مسکرائی ۔

" یہ کیا بات ہوئی - ہمارے پڑھنے سے مزا کہاں چلا جائے گا - کیا اسے کہیں جانے کی جلدی ہے ۔" فاروق بولا ۔

" سنو بھئی - مذاق نہ اڑاؤ میرا - خبر یہ ہے کہ مردہ خانے سے ایک لاش غائب ہو گئی ۔"

" ان لاشوں میں بس ایک یہی بری بات ہے کہ غائب ہائیں - تم نے کیا کہا فرزانہ - لاش غائب ہو گئی ۔" فاروق بوکھلا گیا -

" سنجیدگی سے کوئی خبر تم سن لو - ہو ہی نہیں سکتا ۔" فرزانہ نے جل کر کہا ۔

" اور جب ہو ہی نہیں سکتا تو پھر بحث فضول ہے - لہٰذا لاش کے بارے میں ہی بات کر لو ۔" محمود بولا ۔

" اب اس کے بارے میں کیا بات کریں - جب بے چاری غائب ہی ہو گئی ۔" فاروق بولا ۔

" بھئی پہلے پوری خبر تو سن لو ۔"

" جی بہتر - آپ کہتے ہیں تو سن لیتا ہوں - اگرچہ میں جانتا ہوں - اس خبر میں رکھا کچھ نہیں ۔"

" سن چکے یہ حضرت تو خبر ۔" محمود نے اسے گھورا ۔

" خبر یہ ہے کہ ایک شخص اچانک مر گیا تھا - اس کی بیوی نے پولیس کو فون کر دیا اور یہ خیال ظاہر کیا کہ اس کا شوہر قدرتی موت نہیں مرا - بلکہ اس کے بھائیوں نے زہر دے کر اسے ہلاک کیا ہے - پولیس نے فیصلہ کیا کہ لاش کا پوسٹ مارٹم کرا لیا جائے ؛ چنانچہ لاش کو ہسپتال بھیج دیا گیا - وہاں اسے مردہ خانے پہنچا دیا گیا تھا - وقت رات کا تھا - اور پوسٹ مارٹم صبح کیا جا سکتا تھا ، لیکن دوسری صبح جب ڈاکٹر حضرات مردہ خانے گئے تو لاش غائب تھی ۔"

" ہوں - تب تو یہ زہر کا ہی معاملہ نظر آتا ہے - مرنے والے کے بھائیوں نے ہی لاش کو مردہ خانے سے غائب کرا دیا ہو گا ، تاکہ نہ رہے بانس ، نہ بجے بانسری - نہ مردہ ہو گا ،

نہ زہر ثابت ہو سکے گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اب پولیس بے چاری مُردے کو تلاش کرتی پھر رہی ہو گی۔" فاروق نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"اگر تمہیں ان سے اتنی ہی ہمدردی ہے تو جا کر تلاش میں ان کی مدد کرو۔" محمود مسکرایا۔

"سوال یہ ہے کہ مردہ خانہ سے لاش غائب کس طرح ہو گئی۔ وہاں تو باقاعدہ نگران رہتا ہے۔"

"معاملہ کافی دل چسپ ہے۔" انسپکٹر جمشید مُسکرا دیے۔

"جج۔ جی۔ کیا مطلب؟" فارُوق ہکلایا۔

"میرا مطلب ہے، کیوں نہ ہم خود اس مُردے کو تلاش کریں۔"

"لیکن ابّا جان۔ فرزانہ کے خبر سُنانے کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا۔" فاروق نے گھبرا کر کہا اور وُہ مسکرا دیے۔

"چلو نہ ہو گا۔ ہم یہ مطلب سمجھ لیتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید شوخ آواز میں بولے۔

"اسے کہتے ہیں لینے کے دینے پڑنا۔ اور سُناؤ خبریں۔"

"میں نہ سُناتی۔ تب بھی ابّا جان اخبار میں اس خبر کو پڑھ ہی لیتے۔ اور اس وقت بھی یہی فیصلہ کیا جاتا۔"

"ختم کرو بھئی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"شکریہ ابّا جان۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"تم شکریہ کیسا ادا کر رہے ہو؟"

"آپ نے اس معاملے کو ختم کرنے کے لیے جو کہا ہے۔" وُہ بولا۔

"نہیں۔ میں نے ناشتا ختم کرنے کے لیے کہا تھا۔"

"جی۔ کیا مطلب؟"

"ہاں۔ تاکہ ہم جلد از جلد ہسپتال جا سکیں اور اس لاش کے بارے میں تفصیلات جان سکیں۔"

"اوہ۔ اوہ۔" فارُوق نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"ارے!" محمود اُچھل پڑا۔

کس کی لاش

"کیوں! تمھیں کیا ہوا؟" انسپکٹر جمشید نے اسے گھورا۔

"شاید کچھ کاٹ گیا۔" فرزانہ بولی۔

"غلط - ہمارے گھر میں کھٹمل نہیں ہیں۔" بیگم جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"کوئی خیالی کھٹمل تو کاٹ ہی سکتا ہے۔" فاروق نے خیال ظاہر کیا۔

"بھئی محمود کو تو کچھ کہنے دو۔" انسپکٹر جمشید نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"جی ہاں - دیکھیے تو سہی - مجھے کچھ کہنے ہی نہیں دے رہے۔" محمود فوراً بولا۔

"اور یہ جملہ تم نے کس طرح کر دیا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ایک منٹ - ہاں محمود - تم کس بات پر چونکے؟"

"جی - مجھے ان دو آدمیوں کا خیال آ گیا تھا - جو ایک

بکری کو دفن کر رہے تھے۔"

"کیا مطلب - یہ کب کی بات ہے؟" انسپکٹر جمشید نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"صبح کی - جب ہم سیر کے لیے جا رہے تھے - دو آدمی ایک گڑھا کھود رہے تھے - ہم نے خیال کیا، کہیں وہ کوئی غیر قانونی چیز نہ دفن کر رہے ہوں۔"

"پھر - تم نے انھیں چیک کیا۔" فرزانہ بے تابانہ بولی۔

"ہاں - ہم اُن کے قریب چلے گئے تھے - اور ان سے پوچھا تھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں، اس پر انھوں نے بتایا کہ ان کی ایک پیاری پالتو بکری مر گئی ہے - وہ اسے دفن کر رہے ہیں۔"

"اور تم نے ان کی بات پر اعتبار کر لیا۔" فرزانہ نے اسے تیز نظروں سے دیکھا۔

"نہیں - ہم نے بکری کو بھی دیکھا تھا۔"

"گویا ان کے پاس واقعی ایک مری ہوئی بکری تھی۔"

"ہاں - یہی بات ہے۔"

"تب پھر - چونکنے کی کیا بات تھی؟"

"مجھے خیال آ گیا کہ - اس طرح وہ مُردہ بھی کہیں دفن کر دیا گیا ہو گا - اور اس جگہ کو تلاش کرنا آسان نہیں۔"

"لیکن میرا خیال ہے۔ تم دونوں سے غلطی ہوئی۔" فرزانہ نے
کچھ سوچ کر کہا۔

"ہم سے غلطی ہوتی ہے۔ کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تمھیں ان دونوں کو اچھی طرح چیک کرنا
چاہیے تھا۔"

"اچھی طرح چیک کیوں کرتے۔ جب کہ ان کے پاس
ایک عدد مُردہ بکری موجود تھی۔"

"اور یہی ان کا دھوکا تھا۔ جو وہ تمھیں دینے میں کامیاب
ہو گئے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"تت۔ تت۔ تم۔ کیا کہنا چاہتی ہو۔"

"یہ کہ ان کے پاس ایک مُردہ بھی تھا۔ لیکن وہ اِدھر اُدھر
چھپا کر رکھ دیا گیا تھا۔ تاکہ تم جیسا کوئی اِدھر آ نکلے تو اسے
مُردہ بکری دکھا کر مطمئن کر دیا جائے۔"

"اوہ نہیں۔ وہ دونوں تو بہت ہی سیدھے سادے
آدمی نظر آ رہے تھے۔"

"نظر آنے سے کیا ہوتا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں! یہ تو ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تب پھر۔ کیا کیا جائے؟"

"چل کر اس گڑھے کو چیک کر لیتے ہیں، وہ تو اپنا کام

کر کے جا ہی چکے ہوں گے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"گویا زبردستی ایک کیس حاصل کیا جا رہا ہے۔"

"کیس ہو چکا ہے۔ بس ہم اس میں دل چسپی لینے پر
مجبور ہو گئے ہیں۔" محمود مسکرایا۔

"ٹھیک ہے۔ مجبوری ہے۔" فاروق نے بے چارگی کے
انداز میں کہا اور بیگم جمشید مسکرا دیں۔

ناشتے سے فارغ ہو کر وہ جنگل میں اس جگہ پہنچے
جہاں وہ دونوں گڑھا کھود رہے تھے۔ اب وہاں کوئی نہیں
تھا۔ گڑھے کے آثار صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ کار کی
ڈکی میں کدال رکھ کر لائے تھے۔ انسپکٹر جمشید نے فاروق
سے کہا:

"چلو بھئی۔ کھودو گڑھا۔"

"مم۔ میں کھودوں۔" فاروق نے ہکلا کر کہا۔

"ہاں۔ کیوں؟"

"کیس تو مول لیا ہے ان دونوں نے۔"

"یہ ٹھیک ہے۔ محمود۔ تم کھودو۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا اور کدال ہاتھ میں لے کر شروع
ہو گیا۔

جلد ہی بکری نظر آ گئی۔ محمود نے کدال ہاتھ سے

رکھ دی:

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔"

"کھودا پہاڑ نکلی بجری۔" فاروق بولا۔

"کوئی بات نہیں۔ کیس حل کرنے کا دوسرا راستا موجود ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"جی۔ دوسرا راستا۔"

"ہاں! یہ راستا ہسپتال کی طرف جاتا ہے اور وہاں سے مرنے والے کے گھر تک۔" وہ بولے۔

"تو پھر چلیے۔ سکول تو آج جانے سے رہے۔"

"فون کر دیتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

وہ وہاں سے چلے ہی تھے کہ فاروق بول اٹھا:

"ایک منٹ ابا جان۔ ایک خیال مجھے بھی آ رہا ہے۔"

"بھئی کیوں مذاق کر رہے ہو۔" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"مذاق کیسا؟"

"خیال اور تمھیں آئے۔" محمود بولا۔

"ہاں! وقت کی بات ہے۔" وہ بولا۔

"وقت کی بات ظاہر کر دو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اگر وہ دونوں بجری کے ساتھ مردہ بھی لائے تھے۔

تو پھر دو باتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ انھوں نے مردہ آس پاس ہی کسی دوسرے گڑھے میں دفن کر دیا ہو۔ یا پھر۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"یا پھر کیا؟"

"یا پھر یہ کہ اسی گڑھے میں دونوں چیزیں دبا دی ہوں۔" فاروق بولا۔

"گگ۔ کیا مطلب؟" وہ چونک اٹھے۔

"مطلب یہ کہ نیچے مردہ۔ اوپر بجری۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

وہ تیزی سے واپس مڑے۔ اور بجری کو باہر نکال کر پھر گڑھے میں کھدائی شروع کر دی۔ اور پھر چند منٹ بعد ہی انھیں ایک عدد انسانی ہاتھ نظر آ گیا۔

"حیرت ہے۔ ہم نے تو واقعی مردہ تلاش کر لیا۔ اب ہمیں فوراً ہسپتال کا رخ کرنا چاہیے۔" انسپکٹر جمشید نے پرجوش لہجے میں کہا۔

وہ ہسپتال پہنچ گئے۔ ڈاکٹر بورے والا نے خوش دلی

ے ان کا استقبال کیا۔

"آپ کے ہاں سے ایک مُردہ غائب ہو گیا تھا۔ وُہ ملا
یا نہیں؟"

"جی۔ جی نہیں۔ پولیس ہر طرف تلاش کرتی پھر رہی ہے"
ڈاکٹر بورے والا نے کہا۔

"یہاں سے مُردہ غائب کس طرح ہوا۔ کچھ تفصیل بتا
سکیں گے؟"

"جی ہاں! کیوں نہیں" انھوں نے کہا اور تفصیل سُنا دی۔
وُہ سوچ میں پڑ گئے، پھر بولے:

"میں مسٹر رمضان سے ملاقات کی ضرورت محسوس کر رہا
ہوں۔"

"وُہ اس واقعے کی وجہ سے بہت پریشان تھے۔ دو
دن کی چھٹی لے گئے ہیں۔"

"اوہ۔ ان کا پتا؟" انھوں نے کہا۔

"۱۰۱ رنگ لین۔"

"شکریہ۔ مُردے کے رشتے داروں کا پتا بھی لکھوا دیں۔"

"جی بہتر۔ وُہ ۴۴، گیٹ وے میں رہتے ہیں۔"

"شکریہ!" انھوں نے کہا اور اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"ہاں بھئی۔ پہلے کہاں چلنا ہے؟" انسپکٹر جمشید نے باہر نک

کر پُوچھا۔

"پہلے رمضان کو چیک کر لیں۔"

"چلو ٹھیک ہے۔"

رمضان کے گھر پہنچے تو دروازے پر تالا لگا نظر آیا۔
پڑوسی سے معلوم کیا تو اس نے بتایا کہ رمضان اپنے
بیوی بچوں کو لے کر اپنے گاؤں گیا ہے۔ دو دن بعد آئے
گا۔"

"اور اس کا گاؤں کہاں ہے؟"

"ارجن پور۔"

"شکریہ!" انھوں نے کہا۔

اب وُہ مُردے کے رشتے داروں کے ہاں پہنچے۔ محمود
نے آگے بڑھ کر گھنٹی کا بٹن دبایا۔ کافی بڑا اور خوب صورت
گھر تھا۔ ایک منٹ بعد ملازم نے دروازہ کھولا اور پھر
بولا:

"ہاں جناب۔ کیا بات ہے؟"

"یہاں دو دن پہلے کوئی صاحب فوت ہو گئے تھے؟" انسپکٹر
جمشید نے کہا۔

"جی ہاں! امتیاز بالی صاحب۔" اس نے کہا۔

"اور ہسپتال سے ان کی لاش غائب ہو گئی تھی؟" انھوں

نے کہا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"لاش مل گئی یا نہیں؟"

"جی۔ نہیں"۔ اس نے کہا۔

"ہمارا تعلق محکمۂ سراغ رسانی سے ہے۔ ہم گھر کے افراد سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"اوہ اچھا۔ تشریف لائیے"۔

ملازم انھیں بٹھا کر چلا گیا۔ جلد ہی ایک عورت کی آواز سنائی دی:

"جی فرمائیے۔ میں کیا خدمت کر سکتی ہوں؟"

"آپ امتیاز صاحب کی بیوہ ہیں؟"

"جی ہاں"۔ اس نے کہا۔

"آپ نے پولیس کو یہ بات کس بنا پر بتائی تھی کہ آپ کے شوہر کو زہر دیا گیا ہے؟"

"اب تو مجھے اس بات پر یقین ہو چلا ہے جناب۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ان کے بھائی ان کی لاش کو کیوں غائب کرتے؟"

"ہوں۔ میں نے پوچھا ہے کہ آپ کو یہ شک کس طرح گزرا تھا؟"

"چاروں بھائیوں کی آپس میں نہیں بنتی تھی۔ میرا مطلب ہے۔ میرے شوہر سے ان تینوں کی نہیں بنتی تھی"۔ بیگم امتیاز نے کہا۔

"اور ان تینوں کی آپس میں؟"

"وہ تینوں ایک ہیں۔"

"کیا کوئی جائداد وغیرہ کا جھگڑا تھا؟"

"جی ہاں! ان کے والد کافی جائداد چھوڑ گئے ہیں۔ تینوں بھائی اس جائداد کے حصے کر دینے پر تلے ہوئے تھے۔ جب کہ ان کا خیال تھا کہ جائداد ایک جگہ رہے تو فائدہ زیادہ ہے۔ بس ان کے درمیان یہی جھگڑا تھا۔ اور اس جھگڑے کا حل انھوں نے یہ نکالا کہ انھیں زہر دے دیا۔ رات سوتے وقت وہ اچھے بھلے تھے۔ صبح مردہ ملے۔ پتا نہیں کھانے کی کس چیز میں زہر تھا"۔ اس نے جلدی جلدی کہا۔

"آپ کا نام؟"

"خالدہ امتیاز۔"

"ہم ان کے بھائیوں سے بھی بات کرنا چاہتے ہیں۔" وہ بولے۔

"ضرور۔ ابھی بھیجتی ہوں"۔ اس کی آواز سنائی دی۔

"بھیجنے کی ضرورت نہیں - ہم تمہارے پیچھے موجود ہیں - ہمارے خلاف تم جتنا جی چاہے زہر اگلو ، لیکن تم ہمیں مجرم ثابت نہیں کر سکو گی" - ایک بھاری آواز سنائی دی اور تین ہٹے کٹے آدمی اندر داخل ہوئے - ان میں سے ایک نے کہا :

"آپ کی تعریف جناب ؟"

"میں انسپکٹر جمشید ہوں - یہ محمود ، فاروق اور فرزانہ ہیں -"

"اوہ ! آپ تو بہت مشہور آدمی ہیں" دوسرا چونک کر بولا -

"اس بات کو چھوڑیں - اور یہ بتائیں - آپ نے اپنے بھائی کو زہر دیا ہے یا نہیں ؟"

"ہرگز نہیں"

"آپ لوگوں کا آپس میں جھگڑا رہتا تھا ؟"

"ہاں جناب اس میں کوئی شک نہیں"

"اوہ !"

"لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم نے اپنے بھائی کو زہر دے دیا"

"آپ تینوں کے نام کیا ہیں ؟"

"رؤف ، خاور ، شاہد" - ایک نے کہا -

"ہمیں جنگل میں ایک جگہ ایک مردہ دفن ملا ہے - میں چاہتا ہوں ، آپ لوگ میرے ساتھ چل کر اس مردے کو ایک نظر دیکھ لیں"

"اوہ ! انسپکٹر صاحب - یہ آپ کیا کر رہے ہیں" بیگم امتیاز نے چونک کر کہا -

"کیوں - کیا میں نے کوئی غلط بات کر دی"

"نہیں - میرا مطلب ہے - اس سے اچھی تو کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی کہ ان کی لاش مل جائے ، لیکن میری آپ سے درخواست ہے - ان کے ساتھ آپ مجھے بھی لے جائیں ، ورنہ یہ تو صاف کر دیں گے - یہ لاش ان کے بھائی کی نہیں ہے"

"یہ ہم پر سراسر الزام ہے" ایک بھائی نے چلا کر کہا -

"چلانے کی ضرورت نہیں جناب - آپ آرام سے بھی بات کر سکتے ہیں" انسپکٹر جمشید نے کہا -

"جی بہتر - چلیے - ہم چلنے کے لیے تیار ہیں اور انھیں بھی ساتھ لے چلیے - ہمیں کوئی اعتراض نہیں - اگر وہاں کوئی ایسا مردہ ہوا - جو ہمارا بھائی نہیں تھا ، لیکن اس عورت

نے اسے اپنا مُردہ شوہر تسلیم کر لیا۔ تو ہم بھی یہ نہیں
کہیں گے کہ یہ ہمارا بھائی نہیں ہے۔ تاکہ لوگ ہم پر بھی
تو یقین کریں۔ ہم تو بالکل بدنام ہو کر رہ گئے ہیں جناب۔"

"ہوں۔ خیر آپ چلیے تو سہی۔ وقت سے پہلے کچھ کہنا اور
کوئی خیال قائم کرنا مناسب نہیں ہو گا۔"

وہ چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ان کے پاس بھی کار
تھی۔ لیکن بیگم امتیاز نے ان کے ساتھ بیٹھنے سے انکار کر
دیا۔ اس نے کہا:

"یہ تو مجھے چلتی کار سے دھکا دے دیں گے۔ تاکہ
امتیاز صاحب کا حصہ بھی انھی کو مل جائے۔"

"حد ہو گئی بدگمانی کی۔" ایک بھائی نے کہا۔

"رؤف بھائی۔ آپ چپ رہیں۔ انھیں کہنے دیں۔" دوسرا
بھائی بولا۔

آخر وہ جنگل میں اس جگہ پہنچ گئے جہاں انھوں نے
مُردہ دریافت کیا تھا۔ مٹی کو وہ برابر کر گئے تھے۔ اس
لیے ایک بار پھر کدال سے ہٹائی گئی۔ آخر انسانی اعضا
نظر آنے لگے۔ پھر مُردے کا چہرہ بھی نظر آیا۔ اس پر نظر
پڑتے ہی تینوں بھائی ایک ساتھ بولے:

"نہیں جناب۔ یہ ہمارا بھائی ہرگز نہیں ہے۔"

انسپکٹر جمشید نے بیگم امتیاز کی طرف دیکھا۔ وہ برقعے
میں قدرے فاصلے پر کھڑی تھی۔

"آپ بھی آ کر دیکھ لیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور ایک
طرف ہٹ گئے۔ بیگم امتیاز نزدیک آ گئی اور مُردے کو
دیکھا، پھر اس نے کہا:

"نہیں۔ یہ میرے شوہر کی لاش نہیں ہے۔"

مُردے کی ضرورت

انھوں نے حیرت زدہ انداز میں ایک دُوسرے کی طرف دیکھا۔

"آپ لوگوں کو یقین ہے ۔ یہ لاش امتیاز بالی صاحب کی نہیں ہے۔"

"ہاں جناب ۔ اس میں بھلا شک کی کیا بات ہو سکتی ہے۔"

"کیا آپ مجھے ان کی کوئی تصویر دے سکتے ہیں؟"

"جی ہاں ۔ کیوں نہیں ۔ ان کی تو بے شمار تصاویر ہیں ہمارے پاس۔"

"شکریہ ۔ میں ذرا اس لاش کے بارے میں ہدایات دے دوں ۔ پھر ہم آپ کے ساتھ چلیں گے اور تصاویر آپ سے لیں گے۔"

"ضرور ۔ کیوں نہیں۔"

انسپکٹر جمشید اپنی کار میں آئے اور فون پر اکرام کے نمبر ملائے:

"ہیلو اکرام ۔ جنوبی سڑک پر تیسرے کلو میٹر پر دائیں طرف جنگل میں ایک مُردہ پڑا ہے ۔ اسے حفاظت سے ہسپتال پہنچا دو ۔ معلوم کرو کہ یہ کس کی لاش ہے ۔ اس کا پوسٹ مارٹم کیا جائے گا ۔ سرد خانے کے انچارج سے کہ دیا جائے کہ اس لاش کی نگرانی کی جائے۔"

"او کے سر ۔ کیا مُردے کے بھاگ جانے کا اندیشہ ہے۔" اکرام نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! ایک مُردہ پہلے ہی بھاگ چکا ہے۔" وُہ مسکرائے۔

"اوہ ۔ سر یہ مُردوں نے بھاگنا کب سے شروع کر دیا۔" اکرام کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بھئی یہ تو مُردے ہی بتا سکتے ہیں۔" انھوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

اب وُہ ان لوگوں کے ساتھ پھر ان کے گھر پہنچے، امتیاز بالی کے بھائی پوری البم اُٹھا لائے:

"یہ رہے جناب ہمارے بھائی کے فوٹو۔"

وُہ دیکھتے چلے گئے ۔ تین سامنے کے پوز والی تصاویر انسپکٹر جمشید نے البم میں سے نکال لیں:

"یہ میرے پاس رہیں گی۔ بطور امانت۔"

"کوئی بات نہیں۔"

وہ اُن سے رخصت ہو کر ارجن پور کی طرف روانہ ہوئے

"ابھی تک کیس کا سر پیر پلے نہیں پڑا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"لیکن سسپنس بہت ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"سوال یہ ہے کہ دُوسرا مُردہ کس کا ہے؟"

"اس پر بھی کام کریں گے۔ پہلے مسٹر رمضان سے مل لیں۔ مجھے اس شخص پر شک ہو رہا ہے۔ اس کا چھٹی لینا بھی مجھے کھٹک رہا ہے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"اس کے ہوتے ہوئے مُردہ سرد خانے میں موجود تھا، لیکن جُوں ہی وہ وہاں سے گیا۔ مُردہ غائب کر دیا گیا۔ پہلے اس نے یہ رقعہ لکھا کہ ضروری کام کی وجہ سے جا رہا ہے، لیکن پھر یہ کہا کہ اس کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔ اس کے بیان میں آخر فرق کیوں ہے۔ اس بنا پر بھی مجھے اس پر شک ہے۔"

"اس سے ملنے کے بعد ہم کسی نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں، خیر ارجن پور زیادہ دُور نہیں ہے۔" محمود نے کہا۔

چاروں ارجن پور پہنچے۔ ایک کسان سے انھوں نے رمضان کے بارے میں پوچھا:

"کون سا رمضان، جناب۔ یہاں تو کئی رمضان ہیں۔ یا تو باپ کا نام ساتھ بتائیں یا کم از کم یہ بتائیں کہ کام کیا کرتا ہے۔"

"بھئی وہ سول ہسپتال میں ملازم ہے اور دو دن کی چھٹی لے کر یہاں آیا ہوا ہے۔"

"اوہ! میں سمجھ گیا۔ آئیے، جناب میں خود ہی پہنچا دوں، کیوں کہ کئی موڑ مڑنا پڑیں گے۔" اس نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔" انھوں نے کہا اور اسے بھی کار میں بٹھا لیا۔

"کیا آپ اس سے مل چکے ہیں؟" محمود بولا۔

"نہیں! مُلاقات تو نہیں ہوئی، لیکن کوئی کہ رہا تھا۔ وہ آیا ہوا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

آخر ایک گھر کے سامنے اس نے رکنے کے لیے کہا اور پھر ان سے پہلے خود اُتر کر دروازے پر دستک دی۔

"کک۔ کون۔" اندر سے ہکلا کر پوچھا گیا۔ آواز عورت کی تھی۔

"بہن شکیلہ۔ کچھ لوگ بھائی رمضان سے ملنے آئے ہیں۔"

"لیکن وہ تو رات واپس چلے گئے۔" عورت نے کہا۔

"واپس چلے گئے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں!" وہ بولی۔

"لیکن وہ تو دو دن کی چھٹی لے کر آئے تھے۔ اور آج چھٹی کا پہلا دن ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"جی ہاں! انھیں کوئی ضروری کام یاد آگیا تھا۔ اس لیے چلے گئے۔"

"گویا اب ہم ان سے ہسپتال میں ہی مل سکیں گے۔" محمود نے کہا۔

"جی ہاں، لیکن خیر تو ہے۔ آپ کو ان سے کیا کام ہے۔"

"ایک بہت ضروری کام۔ ہمارا تعلق محکمۂ سراغ رسانی سے ہے۔ اگر وہ پھر یہاں پہنچ جائیں تو انھیں فوراً شہر پہنچ کر مجھ سے ملنے کے لیے کہہ دیں۔ یہ میرا کارڈ ہے۔" یہ کہہ کر انھوں نے ایک کارڈ دروازے کے اندر کی طرف کر دیا۔ کارڈ لے لیا گیا:

"کیا ان سے کوئی جرم تو نہیں ہو گیا؟" عورت نے فکرمندانہ لہجے میں کہا۔

"کچھ کہا نہیں جا سکتا۔" وہ بولے۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔" عورت نے گھبرا کر کہا۔

اور وہ وہاں سے جانے کے لیے مڑے، لیکن فرزانہ چلتے چلتے رک گئی اور بولی:

"بیگم رمضان۔ میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں، اگر آپ برا نہ مانیں۔"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔" اس نے کہا۔

"کیا ہم آپ کے گھر کی تلاشی لے سکتے ہیں؟"

"کیا مطلب؟" اس نے چونک کر کہا۔

"جی وہ۔ تلاشی کا مطلب تو تلاشی ہی ہوتا ہے۔"

"آخر آپ تلاشی کیوں لینا چاہتے ہیں؟"

"اس لیے کہ۔ ہمارا خیال ہے۔ مسٹر رمضان گھر کے اندر ہی موجود ہیں۔"

"ارے نہیں۔ یہ غلط ہے۔"

"اگر یہ غلط ہے تو ہمیں اپنا اطمینان کر لینے دیں۔"

"مم۔ میں پردہ کرتی ہوں۔" وہ ہکلائی۔

"کوئی بات نہیں۔ صرف میں اندر آکر دیکھ لیتی ہوں۔" فرزانہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ آجائیے۔"

فرزانہ نے ان کی طرف اجازت طلب نظروں سے دیکھا۔ انسپکٹر جمشید نے سر ہلا دیا، فرزانہ گھر میں داخل ہو گئی۔ دروازہ

ند کر لیا گیا۔ اور پھر پانچ منٹ بعد فرزانہ باہر آئی۔

" چلیے۔ ابا جان ! مسٹر رمضان تو واقعی اندر نہیں ہیں۔"

" اوہ۔ کیا تم اچھی طرح اطمینان کر چکی ہو۔"

" جی ہاں ! بیگم رمضان جھوٹ نہیں بول رہیں۔ ہاں ! تلاشی کے دوران میں نے ایک بات ضرور ان سے معلوم کر لی ہے اور وہ یہ کہ۔ مسٹر رمضان کافی ڈرے ڈرے سے تھے۔" فرزانہ نے پُرجوش انداز میں کہا۔

" اوہو۔ اچھا۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

وہ واپس شہر پہنچے۔ لیکن ڈاکٹر بورے والا نے بتایا کہ رمضان ابھی تک واپس نہیں پہنچا۔

" حیرت ہے۔ وہ کہاں چلا گیا۔" فاروق بڑبڑایا۔

" شاید وہ کہیں چھپ گیا ہے۔"

" لیکن کیوں۔ بھلا اسے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

" شاید اس نے مردے کا کسی سے سودا کیا تھا۔" محمود نے فوراً کہا۔

" ہم۔ مردے کا سودا۔" فاروق نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

" ہاں ہاں۔ کہ دو۔ یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔"

فرزانہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

" اب میں بے چارہ کیا کہوں گا۔ تم نے کہ تو دیا۔" وہ بے چارگی کے انداز میں بولا۔

" محمود وضاحت کرو۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

" کسی شخص کو مُردے کی ضرورت تھی۔ وُہ رمضان سے ملا اور اس سے کہا کہ پانچ دس ہزار روپے لے لو۔ اور مُردہ اس کے حوالے کر دو۔ رمضان لالچ میں آگیا۔ اور مُردہ اس کے حوالے کر دیا۔ اس شخص نے مُردہ کار کی ڈکی میں رکھا اور چلا گیا۔ اب رمضان کو خوف محسوس ہوا کہ اس سے مُردے کے بارے میں پوچھا جائے گا تو وُہ کیا جواب دے گا۔ جواب تو اس کے پاس کوئی تھا نہیں ؛ چنانچہ اس نے سوچا کہ وقت سے کچھ پہلے ہی چھٹی کر لے۔ اس نے رقعہ لکھا اور چلا گیا۔"

" تمھاری بات کافی وزنی ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

" لیکن سوال یہ ہے کہ کسی کو ایک عدد مُردے کی کیا ضرورت تھی؟" فاروق نے منہ بنایا۔

" امتیاز بالی کے بھائیوں نے اگر واقعی اسے زہر دیا ہے۔ تو پھر ان کو مُردے کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ وُہ

تو یہی چاہیں گے کہ لاش کا پوسٹ مارٹم نہ ہو پائے، کیونکہ اگر پوسٹ مارٹم ہو گیا تو وہ پھر کہیں کے نہیں رہتے۔"

"اور فرض کیا۔ انھوں نے زہر نہیں دیا۔ تو؟" فرزانہ نے کہا۔

"تو" محمود ہکلا کر رہ گیا۔

"ہاں۔ کہو نا۔ تو۔" فاروق مسکرایا۔

"پتا نہیں۔ تو کے بعد مجھے کیا کہنا چاہیے۔" محمود نے کندھے اچکائے۔

"میں بتاتا ہوں۔ اس صورت میں مُردے کی ضرورت بیگم امتیاز کو ہو سکتی ہے۔" فاروق نے کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"مطلب یہ کہ۔ اس نے سوچا، اگر مُردے کو غائب کر دیا جائے تو پولیس ضرور ان تینوں پر شک کرے گی۔"

"لیکن صرف شک کرنے سے تو وہ مجرم ثابت نہیں ہو جاتے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تب پھر آپ ہی فرمائیں۔ ہم کیا خیال پیش کریں۔" فاروق بولا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے چکر کچھ اور ہے۔ کیوں نہ ہم دوسرے مُردے کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنے

کی کوشش کریں۔"

"دوسرا مُردہ۔ ارے ہاں! اس کو تو ہم بھول ہی گئے، آؤ۔"

وہ دفتر پہنچے، اکرام موجود تھا:

"ہاں اکرام۔ دوسرے مُردے کے بارے میں کیا معلوم ہوا؟"

"ابھی تک اس کا کوئی وارث دفتر نہیں پہنچا۔ ریڈیو پر بار بار اعلان کرایا جا چکا ہے۔ رات کو ٹی وی پر بھی اعلان کرانے کا پروگرام ہے۔ اور صبح کے اخبارات بھی اس مُردے کی تصویر شائع کریں گے۔"

"اس کے علاوہ، ہمیں ایک اور مُردے کی بھی تلاش ہے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔ اس مرتبہ۔ مُردے کیوں ہمارے پیچھے پڑ گئے۔" اکرام نے گھبرا کر کہا۔

"مُردے بے چارے کیا پیچھے پڑیں گے۔ ہم ہی ان کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"اور اکرام اس دوسرے مُردے کے ساتھ ساتھ ایک زندہ شخص کو بھی تلاش کرنا ہے۔ اس کا نام رمضان ہے، سول ہسپتال میں ملازم ہے۔"

"اس سے آپ کو میں ملوا سکتا ہوں۔" اکرام نے مسکرا کر کہا۔

"کیا کہا؟" وہ اُچھل پڑے۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے سر۔ وہ یہاں پہنچ چکا ہے۔ اس نے مجھ سے ایک عجیب درخواست کی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"یہ کہ اسے حوالات میں بند رکھا جائے۔"

"اوہ۔ اور تم نے اسے حوالات میں بند کروا دیا۔"

"جی ہاں۔ اور کیا کرتا۔"

"اس نے اپنا جرم کیا بتایا۔"

"یہ کہ اس نے اپنے فرض سے غداری کی ہے۔ ہسپتال کے مُردہ خانے میں رکھا ایک مُردہ اس نے کسی کو دے دیا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا، پھر انسپکٹر جمشید نے کہا:

"فوراً اسے یہاں لاؤ اکرام۔ ہم تو اس سے ملنے کے لیے بے چین ہیں۔"

"لل۔ لیکن ابا جان۔ وہ سیدھا یہاں کیوں آیا۔ پولیس اسٹیشن کیوں نہ گیا؟" فرزانہ نے اعتراض کیا۔

"یہ سوال تم اس سے کر لینا۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

اکرام چلا گیا۔

پانچ منٹ بعد درمیانے قد کا ایک آدمی اس کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

"تو آپ ہیں مسٹر رمضان؟"

"ج۔ جی ہاں۔ آپ انسپکٹر جمشید ہیں۔" رمضان ہکلا کر بولا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔ ہم تو آپ سے مُلاقات کرنے آپ کے گاؤں گئے تھے۔"

"یہاں سے ڈر کر وہاں گیا تھا۔ وہاں بھی خوف نے پیچھا نہ چھوڑا۔ تو پھر ادھر آ گیا، لیکن خوف یہاں اور بڑھ گیا تو میں آپ کے دفتر چلا آیا۔" اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"میرے دفتر کیوں۔ پولیس اسٹیشن کیوں نہیں؟"

"پولیس سے مجھے بہت خوف محسوس ہوتا ہے۔"

"اب تم نے جرم کیا ہے تو میں بھی تمہارے لیے کیا کر سکوں گا۔"

"م۔ میں نے جرم نہیں کیا۔ ہاں اپنے فرض سے غداری ضرور کی ہے۔"

"بھئی وضاحت کرو۔ ہماری اُلجھن بڑھ رہی ہے۔"

"میں ڈیوٹی پر موجود تھا کہ تین نقاب پوش اچانک وار
آ دھمکے۔ انھوں نے پستول مجھ پر تان دیا، پھر ان
سے دو مُردے خانے میں داخل ہو گئے۔ وُہ ایک نیلے رنگ
کی کار پر آئے تھے۔ انھوں نے مُردہ کار کی ڈکی میں رکھ
اور یہ جا وُہ جا۔"

"کار کا نمبر؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کار باہر کھڑی کی گئی تھی۔ میں نمبر کس طرح دیکھ سکتا
تھا، صرف رنگ ہی دیکھ سکا۔"

"ہوں۔ پھر آپ کو فرار ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ اور
اب خوف زدہ کیوں ہیں، جب کہ وُہ تینوں نقاب پوش تھے
ان کو آپ کی طرف سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔"

"پپ۔ پتا نہیں۔ کیا بات ہے۔ بس میں خوف محسوس
کر رہا ہوں۔"

"لیکن اس بیان کی روشنی میں۔ آپ کو حوالات میں نہیں
رکھا جا سکتا، کیوں کہ وُہ لوگ پستول کے زور پر مُردہ لے
گئے ہیں۔"

"لیکن میں خود کو مجرم خیال کر رہا ہوں۔" اس نے کہا۔

"نہیں۔ آپ جا سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تت۔ تو مجھے ان کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں۔" رمضان

نے جلدی سے کہا۔

"بالکل نہیں۔"

"اچھا جناب۔ تب تو میں اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہو جاتا
ہوں۔"

"ہاں! آپ کو یہی کرنا چاہیے۔"

رمضان تو چلا گیا۔ وُہ چند سیکنڈ تک ایک دُوسرے کی
طرف دیکھتے رہے، پھر انسپکٹر جمشید نے اکرام سے کہا:

"اس کے پیچھے ایک آدمی کو لگا دو۔"

"او کے سر۔" اس نے کہا اور فون پر ہدایات دینے
لگا۔

"اس کے بارے میں کیا خیال قائم کیا آپ نے؟"

"یا تو یہ شخص بہت چالاک ہے۔ اور اس نے مُردے
کی اچھی بھلی قیمت وصول کی ہے۔ یا پھر بالکل سیدھا سادا
ہے۔ اور اسی طرح ہوا ہے۔ جس طرح اس نے بیان کیا۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ ہم کیا کریں۔ ہماری گاڑی تو رُک
گئی ہے۔"

"نہیں۔ گاڑی کیوں رُکنے لگی۔ ہم آگے بڑھ سکتے ہیں۔"
انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"وُہ کیسے۔ مجھے تو کوئی راستا نظر نہیں آ رہا۔"

غور کرو۔ غور کرنے کی عادت ڈالو۔ تفتیش کے لیے ا
خود بخود نظر آنے لگے گا۔" انھوں نے عجیب سے لہجے میں کہا۔
"اوہ۔ آپ کا مطلب ہے۔ ہم سوچیں۔"
"ہاں! غور کرنے کے لیے سوچ کا لفظ بھی بولا جا سکتا
ہے۔" وہ مسکرائے۔
تینوں سوچ میں ڈوب گئے اور پھر سب سے پہلے فرزانہ
چونکی۔

ذوقی خوبے

"فرزانہ کے چونکنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کسی نتیجے پر پہنچ گئی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا۔
"جی ہاں! لیکن چونکنا چاہیے تھا ان دونوں کو۔" فرزانہ نے شوخ انداز میں کہا۔
"کیا مطلب؟" دونوں ایک ساتھ بولے۔
"ہاں! میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ چونکنا چاہیے تھا تم دونوں کو یا تم میں سے کم از کم ایک کو۔" اس نے پھر کہا۔
"مہربانی فرما کر وضاحت کرو۔ ہم اب بھی کچھ نہیں سمجھے۔"
"عجیب بات ہے۔ میں تم دونوں کے ساتھ نہیں تھی۔ لیکن۔"
"اوہ۔ اوہ۔" محمود اور فاروق زور سے چونکے۔
"آ گئی شاید عقل۔" فرزانہ مسکرائی۔

"ہاں واقعی ہمیں چونکنا چاہیے۔ خیر دیر سے چونکے۔ درست چونکے۔" محمود نے شرمندہ ہو کر کہا۔

"لیکن سمجھے کیا ہو۔ پہلے یہ تو بتاؤ۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہم ان دونوں کو بھول گئے۔ جو بکری کے پردے میں مُردہ دفن کر رہے تھے۔"

"خوب! میں نے بھی یہی سوچا تھا کہ ہمیں اس طرف توجہ دینی چاہیے تھی۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اب تم ان دونوں کے حلیے بتاؤ۔ انکل اکرام یہاں تشریف رکھتے ہی ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"بالکل ٹھیک۔ وہ دونوں پتلے دبلے اور لمبے قد کے تھے، ایک ان میں سانولے رنگ کا تھا۔ اس کا دایاں کان لو کے پاس سے کٹا ہوا تھا اور ناک کی ہڈی پر زخم کا نشان بھی تھا، آنکھیں بالکل گول اور بھوری تھیں۔ چہرہ گول۔" محمود کہہ کر رُک گیا۔

"کیا خیال ہے انکل۔ آپ اس حلیے پر غور کریں گے یا میں دُوسرے آدمی کا حلیہ بتاؤں۔" فاروق نے کہا۔

"نہیں۔ پہلے مجھے غور کرنے دیں۔" اکرام جلدی سے بولا اور سوچ میں ڈوب گیا۔

"اچھی بات ہے۔ جب آپ سوچ چکیں تو بتا دیجیے گا۔"

فاروق نے منہ بنایا۔

تین منٹ بعد اکرام نے سر اُٹھایا اور کھوئے کھوئے انداز میں بولا:

"جہاں تک میرا ذہن کام کرتا ہے۔ آپ نے ذونی کا حلیہ بتایا ہے۔"

"جی۔ ذونی۔ کیا مطلب؟" محمود چونکا۔

"خیر۔ پہلے دُوسرے کا حلیہ بتائیں۔" اکرام نے کہا۔

"دُوسرا گورے رنگ کا تھا۔ اس کی آنکھیں بالکل نیلی تھیں۔ ناک بالکل پچکی ہوئی سی لگتی تھی۔ جیسے ذرا بھی چہرے پر اُبھری ہوئی نہ ہو۔ چہرہ لمبوترا تھا۔"

"بس بس۔ میں سمجھ گیا۔ یہ ذونی کے پُرانے ساتھی خوبا کا حلیہ ہے۔"

"اب ہمیں کیا معلوم انکل۔ کون ذونی۔ کون خوبا۔" فرزانہ نے بے چارگی کے عالم میں کندھے اُچکائے۔

"میں ابھی آیا۔" اکرام نے کہا اور اُٹھ کر چلا گیا۔

دس منٹ بعد اس کی واپسی ہوئی۔ ہاتھ میں ایک فائل تھی۔ اس نے فائل کو ایک جگہ سے کھولا اور ان کے سامنے رکھ دی:

"اب دیکھیے۔ کیا وہ دونوں یہی تھے۔"

فائل میں لگی تصویر کو دیکھتے ہی وہ اچھل پڑے۔ تصویر میں وہی دونوں آدمی نظر آ رہے تھے۔ جو گڑھا کھود رہے تھے۔

"بالکل یہی تھے انکل۔ آپ کا بھی جواب نہیں۔" محمود چلّا اٹھا۔

"کیوں بھئی۔ مل گیا نا راستا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"لیکن انکل۔ ان کے بارے میں کچھ بتائیے بھی تو۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ دونوں بہت پرانے جرائم پیشہ ہیں، ہمیشہ ایک ساتھ ہی دیکھے جاتے ہیں۔ لیکن یہ جب بھی پکڑے گئے۔ صرف چوری کے الزام میں پکڑے گئے۔ جب کہ اس مرتبہ یہ ایک عدد مُردہ دفن کر رہے تھے۔"

"اور بکری بھی۔"

"بکری تو خیر مُردے کی اوٹ کے لیے لائے تھے۔"

"خیر۔ معلوم ہوا، یہ عادی مجرم ہیں اور کئی بار کے سزا یافتہ ہیں، لیکن ہم ان سے کہاں مل سکتے ہیں؟"

"مجّو کے اڈّے پر۔"

"مجّو کا اڈا۔ ابا جان۔ آپ کو معلوم ہے۔ مجّو کا اڈا کہاں ہے؟"

"نہیں بھئی۔ یہ میدان اکرام کا ہے۔" وہ مسکرائے۔

"مجّو کا اڈا ہوٹل شان کے پچھلی طرف ہے۔ وہاں شہر کے تمام غنڈے جمع ہوتے ہیں۔ اور کھیل کود میں وقت ضائع کرتے ہیں۔"

"لیکن انکل۔ جب آپ کو یہ بات معلوم ہے۔ تو پھر آپ وہاں چھاپہ کیوں نہیں مارتے اور ان سب کو گرفتار کیوں نہیں کرتے۔"

"یہی تو مشکل ہے۔ وہاں صرف سزا یافتہ لوگ آتے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص جیل سے رہا ہوا ہے تو ہم اسے صرف مجّو کے اڈے پر جانے کی بنیاد پر تو گرفتار نہیں کر سکتے۔ جبکہ وہاں کوئی غیر قانونی کام بھی نہیں ہوتا۔" اکرام نے کہا۔

"اگر وہاں کوئی غیر قانونی کام نہیں ہوتا۔ تو پھر یہ سب لوگ وہاں جمع کس لیے ہوتے ہیں۔"

"ہر شخص اپنے ہم پیشہ لوگوں کے پاس اُٹھنا بیٹھنا پسند کرتا ہے۔ تاکہ کوئی کام کی بات جان لے۔ کوئی فن سیکھ لے۔ اس طرح جرائم پیشہ لوگ جرائم پیشہ لوگوں میں بیٹھ کر خوش ہوتے ہیں۔ اور اس غرض کے لیے مجّو کا اڈا بنایا گیا ہے۔ لیکن یہاں صرف سزا یافتہ مجرم آتے ہیں۔ وہ نہیں۔ جن کی تلاش میں پولیس ہو۔"

"اور یہ مجّو کون ہے؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"تو آپ کو بھی نہیں معلوم اس کے بارے میں۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"نہیں بھئی۔ میں ہر بات تو نہیں جانتا۔"

"انکل۔ آپ کہتے ہیں۔ وہاں صرف سزا یافتہ مجرم اکٹھے ہوتے ہیں۔ ایسے نہیں جن کی تلاش میں پولیس ہو۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"لیکن ہم تو ان کی تلاش میں ہی نکلنے والے ہیں۔"

"ابھی انھیں یہ تو نہیں معلوم کہ کوئی ان کے پیچھے لگ گیا ہے۔"

"ہوں۔ گویا جوں ہی انھیں یہ بات معلوم ہو گی۔ وہ مجّو کے اڈے سے نکل جانے کی جلدی کریں گے۔ ورنہ مجّو کی ناراضی بھی انھیں مول لینا پڑے گی۔"

"تب تو ہمیں ابھی مجّو کے اڈے پر پہنچ جانا چاہیے۔"

"میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔" اکرام نے جلدی سے کہا۔

"کیوں؟"

"مجّو مجھے جانتا ہے۔ آپ سے کوئی بد تمیزی نہیں کرے گا۔ اگر صرف آپ گئے تو شروع میں بہت اکھڑ پن سے پیش آئے گا۔"

"لیکن انکل۔ ہمیں مجّو سے نہیں۔ ان دونوں سے ملنا ہے،

یعنی ذہنی اور خوبا سے۔"

"پہلے اڈے کے اندر داخل ہوں گے نا۔" اکرام نے کہا۔

"ٹھیک ہے اکرام۔ تم ساتھ چلو۔ آخر ہمیں فضول باتوں میں وقت ضائع کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے۔ ہم فضول باتیں کر رہے ہیں۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"ارے نہیں۔ میرا مطلب تھا۔ مجّو کے اڈے پر جا کر۔ بک بک میں وقت کیوں ضائع کریں۔"

"ویسے تو انکل کے جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ اپنا خصوصی اجازت نامہ دکھا کر بھی کام چلا سکتے ہیں۔"

"نہیں۔ تمھارے انکل اکرام ہی ٹھیک رہیں گے۔" انھوں نے کہا۔

اور وہ مجّو کے اڈے کی طرف روانہ ہوئے۔ مجّو کے اڈے کو باہر سے دیکھ کر وہ دھک سے رہ گئے۔ وہ ایک شان دار عمارت تھی اور ہوٹل کی طرح کی تھی۔

"انکل۔ ایک بات ہم نے نہیں پوچھی۔ کیا مجّو خود بھی سزا یافتہ مجرم ہے۔"

"ہاں! لیکن اس کا کہنا ہے کہ وہ زندگی میں صرف ایک مرتبہ جیل میں گیا تھا۔ اس کے بعد پھر اس نے جرائم میں ہاتھ نہیں

...نگے۔" اکرام نے بتایا۔

"تب پھر اسے جرائم پیشہ لوگوں کے لیے یہ اڈا بنانے کی کیا ضرورت تھی؟"

"بس ۔ یہ اس نے اپنا کمائی کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ جرائم پیشہ لوگ آخر یہاں جمع ہو کر کچھ کھاتے پیتے بھی ہوں گے۔"

"اوہ ۔ ہم سمجھ گئے۔"

اب وہ آگے بڑھے ۔ دروازے پر دو مسلح نگران موجود تھے:

"اوہ مسٹر اکرام ۔ یہ آپ ہیں ۔ آئیے۔ آئیے ۔ تشریف لائیے۔ ویسے خیر تو ہے۔" ایک نگران نے جھک کر کہا۔

"ہاں ! خیر ہی ہے۔"

وہ اندر داخل ہوئے اور ہال کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

"میں ساتھ نہ ہوتا تو یہ لوگ آپ کو اندر نہ جانے دیتے، جب تک کہ مجھ سے اجازت نہ مل جاتی۔"

"اور اس سے اجازت کس طرح ملتی؟"

"آنے کی وجہ بتانا پڑتی ۔ نام، پیشہ، پتا وغیرہ بتانا پڑتا۔"

"ہوں!" وہ بولے۔

پانچوں ایک میز پر بیٹھ گئے ۔ اور ہال میں بیٹھے لوگوں کے چہروں کو غور سے دیکھنے لگے ۔ اچانک محمود نے کہا:

"اوہو ۔ وہ رہے ۔ دونوں۔"

محمود کی نظروں کے تعاقب میں انھوں نے اس طرف دیکھا۔ فاروق نے تو فوراً ہی جان لیا کہ دونوں وہی ہیں۔ فرزانہ اور انسپکٹر جمشید نے انھیں صرف تصویر میں دیکھا تھا۔ اس لیے انھیں غور سے دیکھنا پڑا ؛ تاہم انھوں نے بھی جان لیا کہ دونوں وہی ہیں۔

"کیا خیال ہے اباجان ۔ میں اور فاروق اٹھ کر ان دونوں کے سامنے نہ جا بیٹھیں۔"

"بھئی واہ ۔ لطف رہے گا۔" انسپکٹر جمشید دبی آواز میں بولے۔

وہ دونوں کافی دور ایک میز کے گرد بیٹھے تھے۔ محمود اور فاروق اٹھے اور پرسکون انداز میں چلتے ہوئے ان کے قریب پہنچ گئے۔ اور پھر کوئی بات کیے بغیر کرسیوں پر بیٹھ گئے:

"کیا مطلب؟" دونوں ایک ساتھ غصیلے انداز میں بولے۔

اور پھر ان کی نظریں ان کے چہروں پر جم گئیں۔ پہلے تو ان میں غصہ ہی غصہ نظر آتا رہا، لیکن پھر غصے کی جگہ الجھن اور پریشانی نے لے لی۔ اور آخر ان کے منہ سے نکلا:

"تت ۔ تت ۔ تم۔"

چند سیکنڈ تک نظروں کا تبادلہ ہوتا رہا، آخر محمود نے کہا:

"تو آپ نے ہمیں پہچان لیا؟"

"غالباً۔ صبح ہم نے آپ لوگوں کو جنگل میں دیکھا تھا، جب ہم اپنی پیاری بکری دفن کر رہے تھے۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔ لیکن آپ دونوں یہاں کیا کر رہے ہیں۔ آپ تو بہت شریف لوگ ہیں، ایک بکری کے مرنے پر آپ غم زدہ ہو گئے تھے اور اسے دفن کرنے کے لیے جنگل کا سفر کیا تھا۔"

"جی ہاں! یہ تو ہے۔" ایک نے کہا۔

"کیا ہے۔ یہی تو ہم پوچھ رہے ہیں۔ آپ یہاں کیوں ہیں؟"

"بس ادھر سے گزر رہے تھے۔ سوچا کچھ کھا پی لیں۔ بکری کی موت نے کچھ کھانے پینے کا خیال تک بھلا دیا تھا۔"

"گویا آپ یہاں باقاعدہ نہیں آتے؟"

"جی۔ باقاعدہ۔ کیا مطلب؟" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"یہ جگہ عام جگہ نہیں ہے۔ نہ یہ کوئی ہوٹل ہے۔ بلکہ اس جگہ کو مجو کا اڈا کہتے ہیں۔ کیا سمجھے؟"

"مجو کا اڈا؟"

"ہاں! اور یہ جگہ صرف جرائم پیشہ لوگوں کے لیے مخصوص ہے۔"

"نن۔ نہیں۔" دونوں خوف زدہ آواز میں بولے، پھر ایک نے

کہا:

"لیکن آپ کو یہ باتیں کس طرح معلوم ہیں۔ کیا آپ جرائم پیشہ ہیں؟"

"ہم جرائم پیشہ نہیں ہیں، لیکن جرائم پیشہ لوگوں کے قریب قریب رہتے ہیں۔"

"ان کے قریب رہنا بھی بُری بات ہے۔ بُری صحبت کا اثر تو آخر ہوتا ہے۔" دوسرے نے کہا۔

"آپ نے ٹھیک کہا۔ مسٹر ذوفی۔"

"کیا مطلب؟" وہ اچھل پڑا۔

"آپ ذوفی ہیں۔ اور یہ خوبا۔ کیوں۔ ہم غلط تو نہیں کہہ رہے۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"پتا نہیں۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ آخر آپ کون ہیں۔" خوبا بولا۔

"ابھی تو آپ نے ہمیں پہچان لیا تھا۔"

"ہمیں غلط فہمی ہوئی تھی۔"

"لیکن ہمیں غلط فہمی نہیں ہوئی تھی۔ آپ یقیناً وہی ہیں جو صبح جنگل میں ایک بکری دفن کر رہے تھے۔"

"اچھا تو پھر۔ کیا یہ جرم ہے۔" دوسرا ہنستا کر بولا۔

"یہ واقعی جرم نہیں ہے۔ لیکن اگر گڑھا گہرا کر کے پہلے

س میں ایک انسانی لاش دبائی جائے اور پھر اس کے اوپر
مُردہ بکری رکھ دی جائے تو پھر یہ ضرور جُرم ہو جاتا ہے۔"

"گگ۔ کیا مطلب؟"

دونوں زور سے اُچھلے۔ اُن کی آنکھیں مارے خوف اور
وحشت کے پھیل گئیں۔ اسی وقت بھاری قدموں کی آواز سُنائی
دی۔ اور پھر کسی نے بیٹھی آواز میں کہا:

"کیا بات ہے زوفی خوبے۔"

دو باتیں

اُنھوں نے نظریں اُٹھائیں۔ ایک گوریلا نما آدمی ان کے
سروں پر کھڑا تھا، اسے دیکھتے ہی زوفی اور خوبا اور بھی
گھبرا گئے۔

"گگ۔ کچھ نہیں۔ مسٹر مجّو۔"

"ارے۔ ابھی ابھی تو کہہ رہے تھے۔ اس ہوٹل میں اتفاق
سے آ گئے ہیں اور اب اڈے کے مالک کو بھی پہچاننے لگے۔"

محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تو انھوں نے یہ کہا تھا۔" مجّو ان کی طرف مُڑا۔

"بالکل کہا تھا۔ ہم کیوں چھپائیں۔"

"کیوں خوبے۔ ایسا کہنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی۔"

مجّو بولا۔

"وہ۔ دراصل بات یہ ہے جناب کہ ہماری بکری مر گئی
تھی۔۔"

"بکری مر گئی تھی۔" مجّو نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں! ہم اسے دفن کرنے جنگل میں گئے تھے۔ وہاں انھوں نے ہمیں بکری دفن کرتے دیکھ لیا اور اب یہ کوئی لاش دفن کرنے کا الزام ہم پر لگا رہے ہیں۔"

"اوہ۔" مجّو بھونچکا رہ گیا، پھر اس نے کہا:

"ذونی۔ خوبے۔"

"یس۔ یس سر۔" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"کیا تم نے وہاں کوئی لاش دفن کی تھی؟"

"نن۔ نہیں جناب۔ بھلا ہمارا کسی لاش سے کیا رشتہ۔" خوبا جلدی سے بولا۔

"میں رشتے کی نہیں۔ لاش دفن کرنے کی بات پوچھ رہا ہوں۔"

"توبہ کیجیے مسٹر مجّو۔"

"لیکن ذونی۔ جھوٹ تمہارے چہرے پر بالکل صاف نظر آ رہا ہے۔"

"نن۔ نہیں مسٹر مجّو آپ کو وہم ہوا ہے۔"

"اچھا۔ مجھے وہم ہوا ہے۔ خوبے۔ ذونی۔" وہ غرّایا۔

"یس سر۔"

"ایک منٹ سے پہلے میرا اڈا چھوڑ دو۔ ورنہ میں گولی چلا

وں گا۔"

"ارے باپ رے۔" وہ بوکھلا کر کھڑے ہو گئے۔

"ایک منٹ جناب۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟" محمود نے برا کر کہا۔

"کیا مطلب۔ میں کیا کر رہا ہوں۔ میں کچھ بھی کروں۔ کون ہوتے ہو پوچھنے والے۔"

"ہمیں ان سے کچھ معلوم کرنا ہے۔"

"تو باہر جا کر معلوم کریں۔ یہ جگہ مجرموں کے لیے نہیں ہے۔"

"لیکن ہمیں تو یہاں سب مجرم نظر آ رہے ہیں۔"

"سابقہ مجرم کہیے۔ حالیہ نہیں۔ جب کہ یہ دونوں حالیہ مجرم ابت ہوئے ہیں۔"

"اس کے باوجود یہ یہاں سے نہیں جائیں گے۔"

"کیا بک رہے ہو۔ یہ میرا اڈا ہے۔ یہاں تمہارا حکم کس طرح چل سکتا ہے۔ اور پھر تم ہو کس کھیت کی مولی۔"

"ابھی بتاتے ہیں۔" محمود نے غرّا کر کہا اور اچھل کر کھڑا ہو گیا، پھر ذونی اور خوبے کی طرف لپکا۔ وہ آٹھ دس قدم اٹھا چکے تھے۔ دوسرے ہی لمحے وہ ان کے راستے میں آ گیا:

"نہیں جناب۔ آپ دونوں وہیں تشریف رکھیے۔ یہ آپ کو گولی نہیں مار سکیں گے۔"

"کیوں، ہماری زندگیوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہیں۔" خوبے نے کانپ کر کہا۔

"آپ دونوں بزدل ہیں۔ واپس چلیں۔ ہم وہیں بیٹھ کر بات کریں گے۔"

"آخر اس کی کیا ضرورت ہے۔ ہم باہر نکل کر بھی تو بات کر سکتے ہیں۔" ذوفی نے کہا۔

"ہاں محمود۔ آخر ہم کیوں اس بات پر اڑ گئے ہیں۔ باہر چل کر بات کر لیتے ہیں۔"

"نہیں بھئی۔ تم نہیں سمجھو گے۔ ہم ان سے بات کریں گے اور اسی جگہ بیٹھ کر کریں گے۔ اور راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کو گرا دیں گے۔"

"جیسے تمھاری مرضی۔"

"خوبے۔ ذوفی۔ ایک منٹ پورا ہونے میں صرف تیس سیکنڈ باقی ہیں۔"

"ارے باپ رے۔" دونوں گھبرا گئے اور پھر کنی کاٹ کر نکل جانے کی کوشش کی، لیکن دونوں اچھل کر ان کے سامنے آ گئے۔

"یہ آپ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ کیا ہمیں مُردہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ آپ مسٹر مجو کو نہیں جانتے۔" ذوفی نے چیخ کر کہا۔

اب سب لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ اور اس جھگڑے کو پوری دل چسپی سے دیکھ رہے تھے۔ ایسے میں محمود نے کہا:

"آپ دونوں عقل سے پیدل ہیں۔ مسٹر مجو اس بھرے مجمعے میں گولی کس طرح چلا سکتے ہیں۔ ضروری تو نہیں کہ گولی آپ دونوں کو ہی لگے۔ کسی اور کو بھی تو لگ سکتی ہے۔ مطلب یہ کہ بلا وجہ ڈر رہے ہیں۔"

"اوہ۔ لیکن۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہاں ٹھہرنے کی ضرورت کیا ہے۔ ہم باہر چل کر بات کر لیتے ہیں۔"

"نہیں۔ بات ہو گی تو یہیں۔" محمود نے بلند ہو کر کہا۔

فاروق کو اب اس پر غصہ آ رہا تھا۔ کیوں کہ اس ہٹ دھرمی کی کوئی وجہ بظاہر نظر نہیں آ رہی تھی، لیکن وہ کسمسا کر رہ گیا۔ اسی وقت انھوں نے ایک نظر مجو پر ڈالی۔ اب اس کے ہاتھ میں پستول نظر آ رہا تھا۔ چہرہ غصے سے سُرخ ہو گیا تھا۔

محمود اور فاروق نے فوراً اس میز کی طرف دیکھا۔ جس پر ان کے والد، فرزانہ اور اکرام بیٹھے تھے، کیوں کہ اس وقت انھیں ان کی ضرورت تھی۔ اور یہی وقت تھا، ان کے اُٹھ کر آگے آنے کا۔ اور انھی کے ہونے پر دونوں نے یہ ہنگامہ کھڑا

کیا تھا۔
لیکن دُوسرا لمحہ سنسنی خیز تھا۔ ان کے والد، فرزانہ اور آفتا
اب اس میز پر نہیں تھے۔ ان کی سٹی گم ہو گئی۔

★

"تم لوگ بھی ان کے ساتھ موت کے گھاٹ اُترنے وال
ہو۔" مجّو کی آواز سُنائی دی۔
"کیا اس مُلک میں تمہارا قانون چل رہا ہے؟" محمود نے ہن
کر کہا۔ اب وُہ دونوں خود پر قابو پا چکے تھے۔ صاف ظاہ
ہے۔ وُہ تینوں اگر کہیں گئے تھے تو کسی اہم ضرورت کے تحت
گئے تھے۔ ورنہ ان حالات میں کوئی نہیں جا سکتا تھا۔
"اس مُلک میں نہیں۔ اس ہوٹل میں ضرور میرا قانون
چلتا ہے۔" مجّو نے کہا۔
"تب پھر گولی چلا کر دیکھو۔ معلوم ہو جائے گا۔"
"چھوٹا منہ اور بڑی بات۔ ان دونوں کو پکڑ لیا جائے۔"
مجّو نے بلند آواز میں کہا۔
فوراً ہی آٹھ دس بیرے ان کی طرف جھپٹے۔ اب انھیں
اپنی جگہ سے دیوار کی طرف کھسکنا پڑا۔ اور اسی وقت ذونی اور

وبے نے باہر کی طرف چھلانگیں لگا دیں۔
"اے۔ تم کہاں جا رہے ہو۔" مجّو چلّایا۔
"ایک منٹ پورا ہونے میں ابھی پانچ سیکنڈ باقی ہیں مسٹر
مجّو۔ آپ کا وعدہ ایک منٹ کا تھا۔" ذونی نے ہنس کر کہا۔
"اوہ!" مجّو کے منہ سے نکلا۔
اسی وقت دونوں ہوٹل سے باہر نکل گئے۔ ادھر وُہ دونوں
آٹھ دس بیروں سے نبٹ رہے تھے۔ انھیں جھکائی پر جھکائی دے
رہے تھے۔
"یہ کھیل تو ہم صبح تک کھیل سکتے ہیں۔" فاروق چہکا۔
"تم سے دو لڑکے نہیں پکڑے جا رہے۔ اور ہو تم آٹھ دس۔"
مجّو نے طنزیہ لہجے میں کہا۔
"یہ۔ یہ حد درجے پھرتیلے ہیں۔"
"پھرتیلے ہیں تو کیا ہوا۔ تم تعداد میں تو زیادہ ہو۔ چاروں
طرف سے گھیر کر آگے بڑھو۔" مجّو نے جھنّا کر کہا۔
انھوں نے مجّو کی ہدایت پر عمل کیا۔ اور ان کے چاروں
طرف کھڑے ہو گئے۔
"ہاں ٹھیک ہے۔ دبوچ لو اب انھیں۔"
وُہ چاروں طرف سے آگے بڑھنے لگے۔ اور جب ان
کے نزدیک پہنچ کر انھوں نے انھیں دبوچ لینے کے لیے یکدم

ہاتھ آگے بڑھائے تو وہ بلا کی تیزی سے نیچے بیٹھ گئے اور ان کی ٹانگوں کے درمیان سے نکل کر ان سے دور جا کھڑے ہوئے۔ ایسے میں محمود نے کہا:

"اب ان لوگوں سے اُلجھنے کی ضرورت نہیں رہی۔ اب وہ باہر جا ہی چکے ہیں۔ آؤ۔ دوڑ لگا دیں۔"

"ٹھیک ہے۔"

اور وہ دوڑنے لگے۔ اسی وقت مجو کی آواز اُبھری:

"خبردار۔ یہ جانے نہ پائیں۔"

بیرے ان کے پیچھے دوڑے، لیکن ان کے دوڑنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ دروازے پر جو مسلح پہرے دار موجود تھے۔ انھوں نے اپنی رائفلیں ان دونوں کی طرف تان دیں:

"خبردار۔ وہیں رک جاؤ۔" ایک نے بلند آواز میں کہا۔

وہ ٹھٹک کر رہ گئے۔ پہلے انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر نگرانوں کی طرف اور اس کے بعد ایک نظر مجو اور بیروں پر ڈالی:

"اب کیا پروگرام ہے دوستو؟" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"واپس پلٹ آؤ۔ تم لوگ میری اجازت کے بغیر نہیں جا سکتے۔" مجو طنزیہ لہجے میں بولا۔

"تو پھر اجازت دے دیں۔"

"ہاں! اجازت ضرور دوں گا، لیکن تم سے دو باتیں کر کے۔"

"بس۔ صرف دو باتیں۔" فاروق حیران ہو کر بولا۔

"ہاں! لیکن حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ دو باتیں اس قدر مختصر نہیں ہوں گی۔"

"اوہ اچھا۔ آؤ بھئی محمود۔ ان سے دو باتیں کر لیں۔"

"ہاں ضرور۔ کیوں نہیں۔ ہمارا کیا جاتا ہے۔" محمود نے کندھے اچکائے۔

دونوں واپس مڑے اور مجو کی طرف قدم اُٹھانے لگے۔ اب وہ بھرپور انداز میں مسکرا رہا تھا۔ ان کے نزدیک پہنچنے پر بولا:

"تم لوگ ہو کون؟"

"اس بات کو چھوڑیں۔ اپنی دو باتیں کریں۔"

"اور یہ بات بھی دو باتیں میں شامل ہے۔"

"اوہ اچھا۔ ہمیں نہیں معلوم تھا۔"

اس وقت محمود اور فاروق خود کو شدید اُلجھن میں محسوس کر رہے تھے۔ انھیں حیرت اس بات پر تھی کہ ان کے والد، فرزانہ اور اکرام کہاں غائب ہو گئے۔ اور اگر انھیں کہیں جانا ہی پڑ گیا تھا تو وہ اشارہ ہی کر جاتے۔

"پہلے تو تم دونوں اپنا تعارف کراؤ، پھر میں پولیس کو

فون کرتا ہوں۔"

" اور فون کس سلسلے میں کریں گے آپ؟"

" تم دونوں کو پولیس کے حوالے کرنے کے لیے۔ اور کیا۔ تم اتنی سی بات بھی نہیں سمجھتے۔"

" لیکن ہم نے جرم کیا کیا ہے؟"

" یہاں ایک ہنگامہ بپا ہوا ہے آپ لوگوں کی وجہ سے۔"

" بہتر۔ جو آپ کے جی میں آئے، کریں۔ ہمارے نام محمود اور فاروق ہیں۔"

" اسی جگہ کھڑے رہنا۔"

اس نے کہا اور ان پر نظر رکھے فون تک چلا گیا۔ جلدی جلدی اس نے نمبر ملائے اور پھر اپنا نام بتانے کے بعد صرف اتنا کہا:

" فوراً پہنچیے۔"

" بیٹھو بھئی۔ ہم کب تک کھڑے رہیں گے۔ اور پھر ہم ان کے مُلازم تو ہیں نہیں کہ پولیس کے آنے تک کھڑے رہیں۔" محمود نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

دونوں کُرسیوں پر بیٹھ گئے۔ مجو بھی فون کا ریسیور رکھ کر ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا:

" اگر تم دونوں۔ ان دونوں سے باہر جا کر بات کر لیتے

تو اتنا ہنگامہ نہ ہوتا۔" اس نے کہا۔

" ہمیں تو یہاں سرے سے کوئی ہنگامہ نظر نہیں آ رہا۔"

" بلکہ ہم تو آپ کو یہ نئی اِطلاع دینے والے تھے کہ آپ کے ہوٹل میں دو عدد جرائم پیشہ بھی آئے ہیں۔"

" پہلی بات تو یہ کہ یہ ہوٹل نہیں ہے۔ میرا اڈّا ہے۔ دُوسری بات یہ کہ اگر کوئی جرائم پیشہ یہاں آ جاتا ہے تو میری بے خبری میں۔ ورنہ جس کے بارے میں مجھے معلوم ہوتا ہے۔ میں اسے پاس بھی نہیں پھٹکنے دیتا۔" مجّو نے بُرا سا مُنہ بنا کر کہا۔

" تب تو آپ کو ہمارا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ ہماری وجہ سے آپ کے علم میں اضافہ تو ہو ہی گیا۔" فارُوق مُسکرا دیا۔

" ہاں! یہ بات ماننا پڑتی ہے۔ لیکن اڈّے میں گڑبڑ مجھے پسند نہیں۔"

" جیسے آپ کی مرضی۔" انھوں نے کندھے اُچکائے۔

آخر پولیس اندر داخل ہوئی۔ وہ سیدھی مجو کی میز کی طرف آئی۔ ابھی آنے والوں نے انھیں نہیں دیکھا تھا۔ ان کی نظریں تو مجو پر جمی تھیں:

" کیا حکم ہے جناب؟"

"ان دونوں نے میرے اڈے میں گڑ بڑ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہنگامہ ہو چلا تھا، میں نے بڑی مشکل سے ہنگامے پر قابو پایا۔"

"کون ہو مسٹر تم؟" سب انسپکٹر کرخت لہجے میں بولا۔

محمود اور فاروق نے اپنے چہرے ان کی طرف کر دیے، دوسرے ہی لمحے ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا:

"ارے!"

"کیوں کیا ہوا۔ آپ لوگ کس بات پر حیران ہوئے ہیں؟" مجو بولا۔

"یہ۔ یہ۔ ارے کیا آپ انھیں نہیں پہچانتے۔" سب انسپکٹر ہکلایا۔

"نہیں۔ کیوں۔ آخر یہ کون ہیں؟"

"انسپکٹر جمشید صاحب کے فرزند۔ محمود اور فاروق۔"

"اوہ!" مجو دھک سے رہ گیا۔

چند سیکنڈ سکتے کے عالم میں گزر گئے۔ آخر اس نے سنبھل کر کہا:

"لیکن انسپکٹر جمشید صاحب کے فرزند ہونے کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ یہ دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑاتے پھریں۔"

"اس بات کا انھیں اختیار ہے۔"

"کس بات کا؟"

"دوسرے کے معاملات میں ٹانگ اڑانے کا۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"یہ تو آپ بہت عجیب بات کر رہے ہیں۔"

"لیکن یہ حقیقت ہے۔"

"خیر۔ میں اس صورت میں کیا کر سکتا ہوں۔ آپ دونوں تشریف لے جا سکتے ہیں جناب۔" مجو نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں کہا۔

"اب باہر جا کر کیا کریں گے۔" محمود نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"کیا مطلب۔ باہر جا کر کیا کریں گے؟" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہاں! اس وقت تو ہم ذوفی اور خوبے سے بات چیت کرنا چاہتے تھے۔ ان دونوں کو گرفتار کرانا چاہتے تھے، لیکن آپ کی مداخلت نے انھیں نکل جانے کا موقع عطا کر دیا۔"

"یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میری مداخلت نے۔" مجو گھبرا گیا۔

"ہاں! اگر آپ دخل اندازی نہ کرتے تو وہ فرار نہیں ہو سکتے تھے۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں۔" محمود کہتے کہتے

رُک گیا۔

"کہاں تک کر سکتے ہیں ۔ اور کیا کر سکتے ہیں۔" مجّو نے پریشان ہو کر کہا۔

"یہ کہ ان دونوں کو آپ نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت فرار ہونے کا موقع دیا ہے۔"

"نہیں ۔ یہ غلط ہے۔"

"اور ایسا آپ نے اس لیے کیا کہ ہم ان سے پُوچھ گچھ نہ کر سکیں۔"

"کیوں ۔ میرا اس میں کیا نقصان تھا۔" اس نے تلملا کر کہا۔

"تاکہ وہ آپ کا پول نہ کھول دیں ۔ دراصل یہاں صرف نام کے سابقہ جرائم پیشہ جمع ہوتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اصلی جرائم پیشہ لوگوں کا اڈا ہے یہ ۔ اور یہاں جرائم کے پروگرام ترتیب دیے جاتے ہیں اور آپ ان سب سے باقاعدہ فیس وصول کرتے ہیں اور ان سے اپنے کام بھی لیتے ہیں ۔ ان میں سے ایک کام ایک مُردے کو دفن کرانے کا بھی لیا گیا ہے۔"

"اُف ۔ یہ آپ کیا اُلٹے سیدھے الزامات لگائے چلے جا رہے ہیں۔" مجّو کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔

"اور بہت جلد ہم ان اُلٹے سیدھے الزامات کا ثبوت

پیش کریں گے، لیکن اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں نظر آ رہی ہوں گی۔" آؤ فاروق چلیں۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

فاروق اُٹھا ہی تھا کہ ایک آواز نے ان کے پاؤں جکڑ لیے:

"بھئی ایسی بھی کیا جلدی ۔ کہ ہمیں یہیں چھوڑے جا رہے ہو۔"

پہلا نمونہ

انھوں نے جلدی سے پلٹ کر دیکھا۔ اور پھر حیرت زدہ رہ گئے۔ جس میز پر وہ پہلے بیٹھے تھے۔ اب پھر اسی میز پر نظر آ رہے تھے۔ اور تینوں کے چہروں پر اب مسکراہٹیں تھیں۔

"حیرت ہے۔ آپ یہیں ہیں۔ ہمارا تو خیال تھا۔" محمود کہتے کہتے رک گیا۔

"چھوڑو اپنے خیال کو۔ کچھ ہمارے خیال کا خیال کرو۔" انسپکٹر جمشید شوخ آواز میں بولے۔

"جی۔ فرمائیے۔ آپ کا کیا خیال ہے۔" فاروق بوکھلا اٹھا۔

"یہ کہ مسٹر مجو سے دو باتیں میں بھی کر لوں۔"

"ضرور۔ کیوں نہیں۔ بھلا ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"آئیے مسٹر مجو۔ آپ کو بھی تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"تت۔ تو آپ انسپکٹر جمشید ہیں۔"

"آپ نے درست اندازہ لگایا۔ تشریف لائیے۔"

مجو کے چہرے پر شدید الجھن نظر آئی۔ پھر اس کے قدم ان کی طرف اٹھنے لگے۔ سب انسپکٹر نے مجو کی طرف دیکھ کر کہا:

"ہمیں پھر اجازت ہے جناب۔"

"ہاں! آپ لوگ جائیے۔"

"نہیں انسپکٹر صاحب۔ آپ لوگ تشریف رکھیے۔ ابھی یہاں آپ کی ضرورت ہے۔"

"جی۔ ہماری ضرورت۔" سب انسپکٹر کے لہجے میں حیرت در آئی۔

"ہاں۔ بیٹھیے۔"

وہ لوگ بھی دو میزوں کے گرد بیٹھ گئے۔

"آپ کہاں چلے گئے تھے ابا جان؟" محمود بولا۔

"کہیں بھی نہیں۔ یہیں تھے۔" فرزانہ نے جلدی سے جواب میں کہا۔

"تب پھر۔ آپ لوگوں نے سلیمانی ٹوپیاں پہن لی ہوں گی۔"

"ان کا آرڈر دیا ہوا ہے۔ ابھی تو بن کر بھی نہیں آئیں۔"

پھر فرزانہ سے کہا۔

"کس کا آرڈر دیا ہوا ہے؟"

"سلیمانی ٹوپیوں کا۔"

"اوہو اچھا۔ کمال ہے۔ بلکہ حیرت ہے۔" فاروق نے منہ
بنا کر کہا۔

"ہوگی۔ ہمیں کیا۔" فرزانہ مسکرائی۔

"کیا ہوگی؟" محمود نے اسے گھورا۔

"حیرت۔ اور کیا۔"

"بھئی۔ اگر تم ذرا دیر کے لیے خاموشی اختیار کر لو تو ہم
کچھ باتیں کر سکتے ہیں۔"

"بہت بہتر۔ جب تک آپ فرمائیں۔"

"مسٹر مجو! میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ لاش
کس کی تھی؟"

"کک۔ کون سی لاش؟" مجو ہکلایا۔

"جس کو ذوقی اور خوبے نے دفن کیا تھا۔"

"پتا نہیں۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"آپ اس طرح نہیں بتائیں گے۔ آپ کو کچھ نمونہ دکھانا
ہی ہوگا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔

"کیسا نمونہ۔ کیا مطلب؟"

"یہ دیکھیے۔ پہلا نمونہ۔" انھوں نے کہا۔

مجو اور انھوں نے دیکھا۔ ان کے ہاتھ میں ایک تصویر
تھی۔ تصویر پر نظر پڑتے ہی مجو کا رنگ اڑ گیا۔ یوں لگا
جیسے جسم سے جان نکل گئی ہو۔

"یہ۔ یہ تصویر۔ آپ کے پاس کہاں سے آئی؟"

"آپ کے کمرے سے ملی ہے۔" انھوں نے کہا۔

"میرے کمرے سے۔ تت۔ تو آپ میرے کمرے میں ہو
آئے ہیں۔"

"نہ صرف ہو آئے ہیں۔ بلکہ اچھی طرح تلاشی بھی لے آئے
ہیں۔ اور ایسا ہم محمود اور فاروق کی مہربانی سے کرنے میں کامیاب
ہوئے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جج۔ جی۔ کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ جب تم نے ان لوگوں کو الجھا لیا تو ہم
اٹھ کر اندرونی حصے میں چلے گئے۔"

"اوہ!" وہ ایک ساتھ بولے۔

"ہاں تو مسٹر مجو۔ یہ تصویر کس کی ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔ ضرور یہ تصویر آپ نے کہیں اور سے حاصل
کی ہے۔ اور تھوپ رہے ہیں میرے سر۔"

"ہم نے ایسا غلط کام کبھی نہیں کیا۔ ہمیں اس تصویر کے

ساتھ ایک خط بھی ملا ہے۔"

"اوہ!" وہ بھونچکا رہ گیا۔

"آپ نے یہ کیا غلطی کی کہ تصویر اور خط ایک جگہ ہی اپنے سیف میں رکھ دیے۔"

"م۔ میں۔ میں۔"

"بس رہنے دیں۔ آپ کے پاس کہنے کے لیے اب کچھ نہیں ہے۔ اس خط میں صاف لکھا ہے کہ اس شخص کو قتل کر دیا جائے۔ شہر کے نیشنل پارک میں یہ ہر روز شام کو سیر کرنے ضرور جاتا ہے۔ تصویر ساتھ بھیجی جا رہی ہے۔ نصف معاوضہ لفافے میں ساتھ ملے گا۔ نصف قتل کے بعد ارسال کر دیا جائے گا۔ تو جناب مجو صاحب۔ پہلے تو آپ نے اپنے آدمیوں کے ذریعے اس غریب کو قتل کرایا اور پھر ذونی اور خوبے کے ذریعے اسے جنگل میں دفن کرا دیا۔ کیوں۔ اب کیا خیال ہے۔"

مجو کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا تو دوسرا جا رہا تھا۔ اس نے منہ کھولنے کی کوشش کی، لیکن کچھ کہا نہ جا سکا۔

"صاف ظاہر ہے۔ تم نہیں جانتے۔ یہ شخص کون ہے۔ تمہارا کام تو بس اتنا تھا کہ اسے شناخت کرانے کے بعد قتل کرا دو اور پھر دفن کرا دو۔ اور یہ کام تم کرا چکے۔

ب انسپکٹر صاحب۔ آپ مسٹر مجو کے فون پر یہاں آئے تھے نا۔"

انسپکٹر جمشید کہتے کہتے اس کی طرف مُڑ گئے۔

"یس سر۔"

"تو پھر اب انھی کو گرفتار کریں۔ مکمّل ثبوت عدالت میں پیش کرنا میرا کام ہوگا۔"

"او کے سر۔" سب انسپکٹر نے کہا اور وہ لوگ مجو کی طرف بڑھنے لگے۔

"اور اس اڈے کو بھی سیل کر دیا جائے۔"

"بہت بہتر سر۔"

وہ اٹھ کر باہر آئے۔

"لیکن ابا جان۔ ہمارے کیس کا کیا بنا۔ وہ تو جوں کا توں موجود ہے۔ پہلا مُردہ ابھی تک نہیں ملا۔ دوسرے مُردے کا مسئلہ سامنے آ گیا۔"

"سب سے پہلے ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ دوسرا شخص کون ہے۔ اور اس کے لیے ہمیں ریڈیو، ٹی۔وی اور اخبارات پر اعلانات کرانے ہوں گے۔ ریڈیو پر پہلے بھی اعلان کرایا جا چکا ہے۔ اب اخبار میں تصویر شائع کرائی جائے گی اور ٹی وی پر بھی دکھائی جائے گی۔ امید ہے۔ بہت جلد اس کے عزیز ہم تک پہنچ جائیں گے۔"

لیکن دوسری صبح تک دوسرے مُردے کا کوئی عزیز ان
تک نہ پہنچا۔ اخبارات بھی اُس کی تصویر شائع کر چکے
تھے۔ اب تو انھیں خوب چکر آیا:

"حیرت ہے۔ کوئی اس مُردے کا عزیز نہیں بنا۔"
فاروق بڑبڑایا۔

"اب ہم کیا کریں؟"

"شاید یہ کیس ہمیں گھن چکر بنا کر رکھ دے گا۔"

"ارے ہاں! دوسرے مُردے کا اب تک پوسٹ مارٹم
کیا جا چکا ہو گا۔ یہ بھی تو معلوم کرنا چاہیے کہ ذونی
اور خوبا نے اسے ہلاک کس طرح کیا۔" انسپکٹر جمشید نے چونک
کر کہا اور پھر فون کا ریسیور اُٹھا لیا۔

"ہیلو۔ ڈاکٹر بورے والا صاحب۔ انسپکٹر جمشید بول رہا
ہوں۔ دوسرے مُردے کا پوسٹ مارٹم تو اب تک ہو چکا
ہو گا۔"

"جج۔ جی نہیں۔ مم۔ مجھے افسوس ہے۔"

"جی کیا فرمایا۔ آپ کو افسوس ہے۔"

"ہاں! بہت افسوس ہے۔"

"لیکن کس بات پر افسوس ہے۔ یہ بھی تو بتائیے۔"
اُنھوں نے منہ بنا کر کہا۔

"میں اس مُردے کا پوسٹ مارٹم بھی نہیں کر سکا۔
ں۔ کیوں کہ۔" وہ پھر کہتے کہتے رُک گئے۔

"اب کہ بھی ڈالیے جناب۔" انسپکٹر جمشید جھلا اُٹھے۔

"صبح جب میں ڈاکٹر شاد کے ساتھ مُردہ خانے میں داخل
ہوا تو دوسرا مُردہ بھی غائب تھا۔"

"کیا!" انسپکٹر جمشید زور سے چلائے۔

★

وہ بھی چونک کر ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ انسپکٹر جمشید
کہ رہے تھے:

"یہ۔ یہ آپ کیا کہ رہے ہیں۔"

"میں بالکل سچ کہ رہا ہوں جناب۔"

"ہوں۔ ہم پہنچ رہے ہیں۔ آپ لوگ اپنے دفتر میں
ہی ملیے گا۔" انھوں نے کہا۔

"جی بہتر!" دوسری طرف سے کہا گیا اور انسپکٹر جمشید نے
ریسیور رکھ دیا۔

"شاید آپ کو بہت خاص اطلاع ملی ہے۔"

"کوئی ایسی ویسی خاص۔ بہت خاص کہو۔" وہ سنجیدہ

انداز میں بولے۔

"چلیے۔ بہت خاص سہی، لیکن ہمیں بھی تو بتا دیجیے۔"

"دُوسرا مُردہ بھی مُردہ خانے سے غائب ہو چکا ہے۔"

"نہیں!" تینوں زور سے اُچھلے۔

ان کے چہروں پر حیرت پھیل گئی۔

"یہ۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔"

"شاید کوئی شخص مُردوں پر کوئی تحقیق کر رہا ہے۔ اس کو مُردوں کی ضرورت ہے۔ لہٰذا جو مُردہ بھی مُردہ خانے میں آتا ہے۔ وُہ اسے حاصل کرنے کی کوشش کر گزرتا ہے۔"

"لیکن اس مرتبہ مُردہ اس نے کیسے حاصل کیا ہو گا۔ جب کہ معاملہ پہلے ہی سامنے آ چکا ہے۔"

"یہی معلوم کرنے کے لیے ہم ہسپتال جا رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

وُہ ہسپتال پہنچے۔ ڈاکٹر بورے والا، ان کے اسسٹنٹ ڈاکٹر شاد اور عملے کے دُوسرے لوگ ایک ہال میں جمع تھے:

"اس مرتبہ مُردہ کس طرح غائب ہوا؟" انسپکٹر جمشید نے پُوچھا۔

"مسٹر رمضان یہاں مُوجود ہیں۔" وُہی جواب دیں گے۔"

"کیا مطلب۔ کیا رات پھر رمضان کی ڈیوٹی تھی؟"

"جی ہاں!" ڈاکٹر نے کہا۔

"ہاں رمضان صاحب۔ اب آپ کا کیا بیان ہے؟"

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس دوسرے مردے کو بھی چرانے کی کوشش کی جائے گی۔ اگر مجھے یہ خیال ہوتا تو میں ضرور احتیاط کرتا۔ اسی طرح تین نقاب پوش آئے۔ انھوں نے پستول مجھ پر تان دیا اور مُردے کو لے گئے۔ میں کچھ بھی نہ کر سکا۔"

"افسوس۔ یہ بہُت بُرا ہُوا۔ ہم تو ابھی پہلے مُردے کو تلاش نہیں کر سکے۔ کہ اب دُوسرا غائب کر دیا گیا۔"

"خیر۔ اس سے ایک بات ضرور ثابت ہو گئی۔" فرزانہ بول اُٹھی۔

"لیکن یہ تم نہیں بتاؤ گی کہ کیا بات ثابت ہو گئی۔"

محمود جل گیا۔

"کیوں نہیں بتاؤں گی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ کسی شخص کو چند مُردوں کی بہت ضرورت ہے۔"

"حیرت ہے۔ اب مُردوں کی بھی ضرورت ہونے لگی۔"

فاروق بڑبڑایا۔

"اوہ۔ میں سمجھ گیا۔ آؤ میرے ساتھ۔" اچانک انسپکٹر جمشید نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"جی۔ کیا سمجھ گئے۔"

"صاف ظاہر ہے۔ ابا جان یہ بات نہیں بتائیں گے۔" فرزانہ مسکرا دی۔

"ہاں! فرزانہ کا اندازہ بالکل درست ہے۔" انسپکٹر جمشید نے ہنس کر کہا۔

اب وہ انھیں لے کر گھر پہنچے۔ اور پھر لائبریری میں گھس گئے۔

"شاید اب ہمیں کچھ رسائل کی ورق گردانی کرنا پڑے گی۔"

"نہیں۔ اخبارات کی۔ ایک سال پرانے اخبارات کی۔ ایک سال پہلے غالباً انھی دنوں میں۔ ایک صاحب نے ایک دعویٰ کیا تھا۔ اور وہ دعویٰ مُردوں کے بارے میں تھا۔"

"لیکن دعویٰ کیا تھا؟"

"یہ تو اب مجھے یاد نہیں۔ ہمیں یہی تو دیکھنا ہے کہ وہ دعویٰ کیا تھا۔ اور کیا موجودہ واقعات اس دعوے کی کوئی کڑی ہیں۔"

"ہوں! بات تو ٹھیک ہے۔"

انھوں نے اخبارات کی ورق گردانی شروع کر دی۔ یہ ایک اکتا دینے والا اور بہت طویل کام تھا، لیکن اس کے بغیر چارہ بھی نہیں تھا۔ چاروں بہت دیر تک مصروف رہے، پھر

بیگم جمشید کی آواز نے انھیں چونکا دیا:

"آپ لوگ شاید کسی اخبار میں کوئی خبر تلاش کر رہے ہیں، کیا میں بھی کچھ مدد کر سکتی ہوں؟"

"آپ ہمارے لیے کوئی مزے دار سی چیز تیار کر دیں۔ بس یہی آپ کی مدد ہو گی۔"

"سوئیوں کا زردہ تو پہلے ہی تیار کر چکی ہوں۔"

"ارے واہ۔ مزا آ گیا۔" فرزانہ خوش ہو گئی۔

"ہاں تو مدد کے بارے میں کیا خیال ہے۔"

"میرا خیال ہے۔ آپ ہماری کچھ مدد نہیں کر سکتیں۔"

"لیکن میں ایک بات ضرور بتا سکتی ہوں۔"

"اور وہ کیا؟" انھوں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"ہو سکتا ہے۔ جس اخبار کی آپ کو ضرورت ہو۔ وہ یہاں موجود نہ ہو۔"

"کک۔ کیا مطلب؟"

"کچھ دیر ہوئی۔ ایک خاتون آئی تھیں۔ انھیں کسی مقدمے کے سلسلے میں سوا سال پہلے کے ایک اخبار کی ضرورت تھی۔ تاریخ اس نے ایک کاغذ پر لکھ رکھی تھی۔"

"اور۔ آپ نے وہ اخبار اسے دے دیا۔"

"دے نہیں دیا۔ خود اس کو تلاش کرنے کی اجازت دے

دی تھی۔ اور وہ اخبار اس خاتون کو مل گیا تھا۔"

"اور وہ لے گئی تھی؟"

"ہاں! اسی لیے تو آپ کو بتا رہی ہوں۔ کہ کہیں آپ لوگ بھی اتفاق سے وہی اخبار نہ تلاش کر رہے ہوں۔"

"اس کا زبردست امکان ہے۔ خیر ہم اس اخبار کا بھی پتا چلا لیتے ہیں کہ کس تاریخ کا تھا، پھر اس تاریخ کا اخبار ہم اخبار کے دفتر سے نکلوا لیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ویسے امی جان۔ آپ کو اسے اخبار نہیں دینا چاہیے تھا اور نہ خود تلاش کرنے کی اجازت دینی چاہیے تھی۔ ہاں آپ تلاش کر کے اخبار اس کے سامنے رکھ دیتیں اور پھر وہ اپنا اطمینان کرنے کے بعد اخبار کے دفتر سے نکلوا لیتی۔"

"آئندہ خیال رکھوں گی۔" وہ بولیں۔

"ہاں! اس طرح ہمارا ریکارڈ بھی تو نامکمل ہو جاتا ہے۔"

جلد ہی انھیں معلوم ہو گیا کہ کون سی تاریخ کا اخبار درمیان سے غائب تھا۔ اس کے لیے انھوں نے فوراً اکرام کو فون کیا اور خود باقی اخبارات کا مطالعہ جاری رکھا، لیکن مُردوں سے متعلق خبر نہ ملی۔

"کہیں ایسا تو نہیں ابا جان۔ آپ نے کسی اخبار میں پڑھنے کی بجائے کسی رسالے میں پڑھا ہو۔"

"شاید۔ پہلے اخبارات کی ورق گردانی مکمل کر لیں۔ پھر رسائل بھی دیکھ لیں گے۔"

جلد ہی اکرام اخبار لے کر آ گیا، لیکن اس اخبار میں بھی مُردوں کے بارے میں کوئی مضمون نہیں تھا۔

"اب رسائل پر ہی توجہ دینا پڑے گی۔"

وہ رسائل میں گم ہو گئے۔ ایک رسالے کے ایک صفحے پر فرزانہ کی نظریں اٹک گئیں۔ اس نے جلدی سے کہا:

"ابا جان۔ ذرا دیکھیے۔ کہیں وہ یہ مضمون تو نہیں؟"

انسپکٹر جمشید نے اس صفحے پر نظر ڈالی اور پھر اچھل پڑے:

"بالکل یہی ہے۔"

بورے والا

انسپکٹر جمشید اب رسالہ پکڑ کر بیٹھ گئے۔ اور جلدی جلدی مضمون پڑھنے لگے۔ اتنے میں بیگم جمشید پھر ادھر آئیں اور بولیں:

"سویّوں کا زردہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ ایک بار اگر یہ چیز ٹھنڈی ہو جائے تو دوبارہ گرم ہو کر مزا نہیں دیتی۔"

"اچھی بات ہے۔ میری بھی ایک بات سُن لو۔" انسپکٹر جمشید مُسکرائے۔

"ایک بار اگر کوئی چیز ذہن سے نکل جائے تو پھر اس کو ذہن میں لانا بہت مشکل ہوتا ہے۔"

"گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ابھی آپ کا کام مکمل نہیں ہوا۔"

"قریب قریب مکمل ہو گیا ہے۔ بس ایک آدھ منٹ اور لگے گا۔"

"چلیے۔ اتنی دیر میں تو کچھ نہیں بگڑ جائے گا۔"

آخر انسپکٹر جمشید نے مضمون مکمل کر لیا اور پھر فوراً نکل کھڑے ہوئے۔

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں ابّا جان؟"

"پروفیسر لقمان کے ہاں۔ یہ مضمون انھی کا لکھا ہوا ہے۔" وہ بولے۔

"مضمون ہے کیا؟"

"موت کے بعد اگر انسانی جسم کو پانچ روز تک دفن نہ کیا جائے، بلکہ عام درجۂ حرارت میں رکھا جائے تو اس مُردہ جسم کے جگر میں ایک زہر پیدا ہوتا ہے۔ اس زہر کو اگر جگر میں سے نکال لیا اور محفوظ کر لیا جائے تو اس زہر کی ایک بہت ہی معمولی سی مقدار، یعنی ایک ملی لیٹر کا بھی سواں حصّہ کوئی انسان کھا لے تو اس کے جسم میں بے پناہ قوّت پیدا ہو جاتی ہے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"یہ میں نے بہت مختصر کر کے بتایا ہے۔ ورنہ اس کی تفصیل بہت لمبی چوڑی ہے۔ مضمون میں زہر نکالنے اور محفوظ کرنے کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ قوّت حاصل کرنے کے خواہش مند کو کھلایا کیسے جائے۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ دونوں مُردے اس مضمون

کے لکھنے والے نے چرائے ہیں۔"

"نظر تو یہی آتا ہے۔"

"دُوسرے مُردے کا تو خیر کوئی وارث نہیں تھا۔ اس لیے کوئی اس کے بارے میں معلوم کرنے نہیں آیا، پہلا مُردہ امتیاز بالی تھا۔ اسے دفن ہونے سے بچانے کے لیے شاید کسی نے بیگم امتیاز کو فون کر دیا ہوگا کہ اس کے دیوروں نے زہر دے کر ہلاک کر دیا ہے۔ لہٰذا پوسٹ مارٹم کرایا جائے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ دُوسرا مُردہ۔ دفن کیوں کیا گیا۔ اگر اسے بھی پروفیسر لقمان نے قتل کروایا تھا۔ تب تو ہدایات یہ ہونی چاہییں تھیں کہ قتل کے بعد اسے شہر کی کسی سڑک پر ڈال دیا جائے۔ سڑک پر سے وُہ خود اٹھا لیتا، مردہ خانے میں سے اڑانے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔"

"معاملہ تو اس طرح اور اُلجھ گیا ہے۔"

"پہلے پروفیسر لقمان سے مل لیں۔"

آخر وُہ پروفیسر لقمان کی کوٹھی تک پہنچ گئے، محمود نے دستک دی۔ ایک مُلازم نے دروازہ کھولا اور انھیں ڈرائنگ رُوم میں بٹھا کر چلا گیا۔ دو منٹ بعد درمیانی عُمر کا ایک آدمی اندر داخل ہوا:

"فرمایئے۔ کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"پہلے میرا کارڈ ملاحظہ فرما لیں۔" انسپکٹر جمشید بولے اور اپنا کارڈ اس کے سامنے رکھ دیا۔

"اوہو۔ آپ تو بہت مشہور شخصیت ہیں۔"

"شکریہ۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے۔ یہ رسالہ ملاحظہ فرمائیں۔ اس میں ایک طبّی مضمون ہے۔ یہ آپ نے ہی لکھا ہے نا۔"

"یہی سمجھ لیں۔" اس نے کہا۔

"سمجھ لیں۔ کیا مطلب؟"

"یہ میرے بڑے بھائی نے لکھا تھا۔ وُہ اس سلسلے میں بہت ریسرچ کرتے رہے تھے۔ آخر انھوں نے ایک کامیاب تجربہ کیا اور یہ مضمون لکھا، لیکن اس مضمون کے لکھنے کے چند ماہ بعد ان کا انتقال ہو گیا۔"

"اوہ۔ تو یہ آپ نے نہیں لکھا۔"

"جی نہیں۔ میں نے بے ایمانی یہ کی کہ اسے اپنے نام سے چھپوا لیا۔ حالاں کہ یہ مجھے اپنے بھائی کے نام سے شائع کرانا چاہیے تھا۔"

"تو کیا یہ مضمون ان کی زندگی میں نہیں چھپا تھا؟"

"نہیں۔ وُہ تو اس کو چھپوانے کے حق میں ہی نہیں تھے، ان کا کہنا تھا کہ کہیں اس مضمون کو پڑھ کر طب کا کوئی طالب علم

غلط قدم نہ اُٹھا بیٹھے۔"

"پھر۔ آپ نے اسے کیوں شائع کروایا؟"

"ایک بات سوچ کر۔" اس نے پُرسکون آواز میں کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ ہمارے ملک کے طب کے ماہرین اس تجربے پر مزید غور کریں اور اس سے ملک کی فوج کو بے پناہ طاقتور بنانے کی کوشش کریں۔ عام لوگ بھی طاقت ور بن سکتے ہیں۔"

"ہُوں۔ آپ کی سوچ بُری نہیں تھی، لیکن خیال آپ کے بھائی صاحب کا ہی ٹھیک نکلا۔"

"کیا مطلب؟"

"کسی نے اس مضمون پر عمل کر ڈالا۔ دو مُردے شہر سے غائب ہیں۔"

"اوہ۔ نہیں۔"

"اور ہم ان دونوں مُردوں کی تلاش میں ہیں، کیوں کہ ان کی اموات بھی عام حالات میں نہیں ہوئیں۔ انھیں شاید پہلے گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا ہے۔ اور پھر شاید پانچ روز تک عام درجہ حرارت میں رکھا جائے گا۔ تاکہ اس کے بعد ان کے جگر میں سے زہر حاصل کیا جا سکے۔"

"ہُوں۔ تو آپ بھی یہ مضمون پڑھ چکے ہیں۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"اور آپ لوگ میرے پاس اس خیال سے آئے ہیں کہ یہ حرکت میری ہے۔"

"جی ہاں!"

"نہیں! یہ حرکت میری نہیں۔ میں نے تو بس مضمون شائع کروانے کی حد تک بے ایمانی کی ہے۔"

"لیکن مُشکل یہ ہے کہ آپ کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت نہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ثبوت تو خیر آپ کے پاس بھی کوئی نہیں کہ یہ کام میرا ہے۔"

"ہم ثبوت حاصل تو کر سکتے ہیں۔" محمود بولا۔

"وہ کیسے؟"

"آپ ہمیں اپنی کوٹھی کی تلاشی لینے کی اجازت دیں گے؟"

"اوہ۔ ضرور کیوں نہیں۔ آپ بڑی خوشی سے تلاشی لے سکتے ہیں۔"

انھوں نے جلدی جلدی پوری کوٹھی کی تلاشی لی، لیکن مُردوں کا کہیں نام و نشان تک نہ ملا۔ آخر وہ واپس پلٹے:

"اچھا جناب۔ آپ کو زحمت دی۔ امید ہے، محسوس نہیں کریں گے۔"

"کوئی بات نہیں۔ قانون کی مدد کرنا تو ہر شہری کا فرض ہے۔"

وہ باہر نکلے۔ کار میں لگے فون پر اکرام سے رابطہ قائم کیا:

"ہیلو اکرام۔ پروفیسر لقمان کی نگرانی اسی وقت سے شروع کرا دو۔"

"او کے سر۔"

وہ وہیں سے سیدھے ڈاکٹر بورے والا کی کوٹھی پہنچے۔ انھوں نے قدرے حیران ہو کر ان کا استقبال کیا:

"ڈاکٹر ہمیں۔ ہمیں افسوس ہے۔" انسپکٹر جمشید نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"کس بات پر۔" وہ بولے۔

"ہم آپ کو پریشان کرنے چلے آئے۔"

"لیکن میں تو آپ لوگوں کی وجہ سے پریشانی محسوس نہیں کر رہا ہوں۔"

"شکریہ۔ آپ نے کبھی پروفیسر لقمان کا نام سنا ہے؟"

"ہاں! طبی مضامین لکھتے رہتے ہیں۔ بہت اچھے مضامین ہوتے ہیں ان کے، لیکن آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"آپ نے ان کا یہ مضمون بھی پڑھا ہے؟" یہ کہہ کر انھوں

نے رسالہ ان کے سامنے رکھ دیا۔ مضمون کا عنوان پڑھتے ہی وہ بولے:

"میں نے سرسری نظر سے دیکھا ہوگا اس کو۔ اچھی طرح یاد نہیں۔ ویسے یہ رسالہ میرے پاس باقاعدگی سے آتا ہے۔ اور یہ شمارہ اب بھی شاید ہسپتال کی الماری میں موجود ہوگا، لیکن بات کیا ہے؟"

"اس مضمون میں یہ بات لکھی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے اور اس کی لاش کو پانچ روز تک دفن نہ کیا جائے تو اس کے جگر میں ایک زہر پیدا ہو جاتا ہے۔ اس زہر کو اگر جگر سے نکال کر محفوظ کر لیا جائے اور پھر اگر یہ زہر ایک ملی لیٹر کے سوویں حصے کے برابر کسی انسان کو کھلا دیا جائے تو اس میں بے پناہ قوت پیدا ہو جاتی ہے۔"

"اوہ!" ڈاکٹر بورے والا کے منہ سے نکلا۔

"آپ کے چونکنے کا مطلب تو یہ ہے کہ آپ نے یہ مضمون نہیں پڑھ رکھا۔"

"ہاں! میرا خیال یہی ہے۔ ورنہ یہ بات مجھے یاد ہوتی۔"

"خیر۔ اب آپ کو معلوم ہی ہے کہ آپ کے مردہ خانے سے دو عدد مردے غائب ہیں؟"

"اوہ۔ ارے۔" وہ گھبرا گئے۔

"اور ان کی موت بھی قدرتی حالات میں نہیں ہوئی۔ پورے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ کسی نے انھیں گلا گھونٹ کر ہلاک کیا ہے۔"

"نن۔ نہیں۔" ان کا رنگ سفید پڑ گیا۔

"بالکل یہی بات ہے جناب۔"

"لل۔ لیکن۔ دوسرا مُردہ تو آپ کو کسی جگہ دفن ملا تھا۔" ڈاکٹر بورے والا کو اچانک کوئی خیال آیا۔

"ہاں! اس بات پر ہم بھی حیران ہیں۔ کہ اس مُردے کو دفن کیوں کیا گیا۔ لیکن اس بات کا جواب ذونی اور خوبا دے سکتے ہیں اور وہ دونوں غائب ہیں؛ تاہم پولیس انھیں ڈھونڈ نکالے گی۔ آپ فکر نہ کریں۔"

"کہیں آپ مجھ پر تو شک نہیں کر رہے۔" ڈاکٹر بورے والا بڑبڑائے۔

"کیا خیال ہے۔ ان حالات میں شک کرنا چاہیے یا نہیں۔"

"ہاں! آپ شک کر سکتے ہیں، لیکن یہ کام میرا نہیں ہے۔"

"شکریہ۔ ہم آپ کی کوٹھی کی تلاشی لے سکتے ہیں۔"

"تلاشی۔ وہ کیوں؟"

"مُردوں کی تلاش ہے نا ہمیں۔"

"اوہ۔ اچھا۔ خیر۔ آپ تلاشی لے لیں۔"

اس گھر کی بھی تلاشی لی گئی، لیکن کوئی مُردہ نہ ملا۔ آخر وہ ڈاکٹر شاد کی طرف روانہ ہوئے۔

"ہم تلاشی تو فضول ہی لے رہے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"وہ کیسے؟"

"جس نے بھی مُردے چرائے ہیں۔ اس نے انھیں اپنے گھر میں تو رکھا نہیں ہو گا۔ ان کی تو بدبو ہی محلے والوں کو خبردار کر دے گی۔ اور پھر یہ خبر پھیلنے سے رُک نہیں سکے گی۔"

"ہوں۔ ہم اپنا فرض پورا کرنے پر مجبور ہیں۔ ان دنوں یوں بھی موسم سردیوں کا ہے۔ اتنی جلدی مُردے بُو نہیں چھوڑتے۔" انسپکٹر جمشید جلدی جلدی بولے۔

ڈاکٹر شاد کو بھی پہلے مضمون کے بارے میں بتایا گیا۔ ان کی آنکھیں بھی مارے حیرت کے پھیل گئیں۔ پھر تلاشی لی گئی۔ اور آخر وہاں سے بھی وہ ناکام لوٹے۔

"ہم بیگم امتیاز بالی سے ایک بات پوچھنا بھول گئے۔ فون پر پوچھنا مناسب نہیں رہے گا۔ آؤ۔ ادھر بھی ہو ہی آئیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور کار کا رُخ موڑ دیا۔

جلد ہی وُہ بیگم امتیاز بالی کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔
اور وُہ دروازے کے باہر موجود تھیں :

"جی فرمائیے۔ آپ کیسے تکلیف کی۔ میرے شوہر کی لاش
مل یا نہیں؟"

"ہم ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں اور امید ہے کہ اب
بہت جلد لاش مل جائے گی۔"

"شکریہ۔ میں کیا خدمت کر سکتی ہوں؟"

"آپ سے ایک بات معلوم کرنے آئے ہیں۔ آپ کے شوہر
کی موت گھر میں ہوئی تھی یا باہر؟"

"اپنے کمرے میں۔"

"اور صبح وُہ مُردہ ملے تھے؟"

"جی ہاں!"

"کیا ان کو گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا تھا؟"

"ہو سکتا ہے۔ ان کے جسم پر کوئی زخم نہیں تھا۔"

"آپ کو یہ خیال کس طرح آیا کہ آپ کے دیوروں نے
اسے ہلاک کر دیا ہے؟"

"اس لیے کہ رات وُہ بالکل ٹھیک تھے۔ اور صبح مُردہ
ملے۔"

"کیا آپ دونوں ایک کمرے میں سوئے تھے؟"

"نہیں۔ وُہ رات گئے تک کام کرنے کے عادی تھے۔
اور مجھے روشنی میں نیند نہیں آتی۔ اس لیے میں الگ کمرے
میں سو رہی تھی۔ کام ختم کرنے کے بعد وُہ میرے کمرے میں
آ جایا کرتے تھے۔ لیکن اس رات وُہ نہیں آئے۔ مجھے بھی اس
بات کا صبح ہی پتا چلا۔"

"شکریہ۔ تو آپ کو خود ہی یہ احساس ہو گیا تھا کہ انہیں
ان کے بھائیوں نے ہلاک کیا ہے؟"

"جج۔ جی ہاں!"

"دیکھیے۔ چھپائیے نہیں۔"

"کیا مطلب۔ میں کیا چھپا رہی ہوں بھلا۔"

"جہاں تک میرا خیال ہے۔ یہ خیال خود آپ کو نہیں
آیا تھا۔"

"آپ۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"آپ کو کسی نے فون کیا تھا۔ اور فون پر اس نے یہ
خیال دلایا تھا کہ آپ کے شوہر قدرتی موت نہیں مرے۔
بلکہ انھیں ہلاک کیا گیا ہے۔ گلا دبا کر یا زہر وغیرہ دے
کر۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"بہت خوب۔ میرا خیال ٹھیک نکلا۔" وُہ مسکرائے۔

"آپ کا خیال ٹھیک نکلا - کیا مطلب؟"

"جس شخص نے آپ کے شوہر کو ہلاک کیا ہے یا کرایا ہے، خون بھی اسی نے کیا تھا - اور وہ صرف یہ چاہتا تھا کہ لاش کو دفن کرنے سے پہلے پوسٹ مارٹم کے لیے ہسپتال بھیج دیا جائے۔" انھوں نے جلدی جلدی کہا۔

"آخر کیوں - اس کی یہ خواہش کس بنا پر تھی اور میرے شوہر سے کیا دشمنی تھی؟" بیگم امتیاز بالی نے اُلجھن کے عالم میں کہا۔

"وہ ان کی لاش کو مُردہ خانے سے بآسانی غائب کر سکتا تھا۔"

"جی - یہ آپ کیا کہ رہے ہیں؟"

"ہاں بیگم صاحبہ - میں باقی تفصیل آپ کو پھر سناؤں گا، اس وقت ذرا جلدی میں ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ دوسرے مُردے کو دفن کیوں کیا گیا تھا۔" فرزانہ بولی۔

"شاید اس میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"جی - غلطی کیسی؟"

"اس شخص نے یہ کام مجّو کے ذریعے لیا - مجّو کو اس

نے اس شخص کی تصویر بھی بھیجی تھی - اور یہ بھی بتایا تھا کہ وہ شخص ہر روز شام کو نیشنل پارک میں ضرور آتا ہے - مجّو کے آدمی وہیں پہنچ گئے اور تصویر کے ذریعے پہچان لینے کے بعد اس کا تعاقب کیا اور پھر موقع پا کر اس غریب کو ٹھکانے لگا دیا، لیکن شاید وہ نامعلوم آدمی مجّو کو یہ ہدایت دینا بھول گیا کہ قتل کرنے کے بعد لاش کو کسی سڑک کے کنارے چھوڑ دیا جائے - یا پھر مجّو یہ ہدایت اپنے آدمیوں کو دینا بھول گیا - لہٰذا مجّو کے آدمیوں نے یہ خیال کیا کہ لاش کو دفن بھی کرنا ہے - وہ غالباً اس قسم کے کام پہلے بھی کرتے رہے تھے - مُردہ بکری کو ساتھ لے کر آنا اس بات کا ثبوت ہے - یا پھر ایک بات اور - اس نامعلوم آدمی نے سوچا ہو گا کہ وہ جب اسے دفن کر دیں گے تو وہ براہِ راست وہاں سے لاش کو حاصل کر لے گا - تاکہ مُردہ خانے سے چرانے کی بھی ضرورت نہ رہے - یہ بات میرے دل کو لگتی ہے، کیوں کہ تھوڑی سی دیر تک دفن رہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا - ہوا اُلٹ - اور وہ یہ کہ محمود اور فاروق نے انھیں وہاں دیکھ لیا اور پھر تمھارے خیال دلانے پر ہم نے وہاں سے لاش برآمد کر لی - ورنہ وہ نامعلوم آدمی چپ چپاتے لاش کو نکال لے

جاتا۔"

"ہوں۔ اب اُلجھن دُور ہوگئی، لیکن سوال یہ ہے کہ وہ نامعلوم آدمی کون ہے؟"

"اب یہی ہمیں معلوم کرنا ہے۔ اس سلسلے میں ایک بات ہمارے سامنے ہے۔ اور وہ یہ کہ اس نے نصف معاوضہ مجو کو پہلے ادا کیا تھا۔ مجو کو معاوضہ ادا کرنے کے لیے اس کے پاس رقم موجود ہوگی۔ گویا وہ کوئی غریب آدمی بھی نہیں ہو سکتا۔ دُوسرے یہ کہ اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی کام کر رہے ہیں۔ رمضان نے بیان دیا ہے کہ دونوں مرتبہ تین نقاب پوش نیلی کار میں سوار ہو کر آئے تھے۔ گویا یہ اکیلے آدمی کا کام نہیں۔ ہمیں اس نیلی کار کا بھی پتا چلانا ہوگا۔"

"گویا ہم اب بھی کامیابی سے بہت دُور ہیں۔" فارُوق نے منہ بنایا۔

"دُور ہیں یا نزدیک۔ ہمیں اس سے کیا۔ ہمیں تو ہر حال میں اپنا کام کرنا ہے۔" محمود نے کہا۔

عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔ انسپکٹر جمشید نے ریسیور اُٹھاتے ہوئے کہا:

"ہیلو۔ اوہ اکرام۔ ہاں بھئی۔ کیا خبر ہے۔ ہاں ہاں۔

بالکل میں نے نگرانی کے لیے کہا تھا۔ اوہو اچھا۔ یہ تو تم نے بہت کام کی بات بتائی۔ ٹھیک ہے۔ اسے بالکل احساس نہ ہونے پائے کہ تم تعاقب کر رہے ہو۔ ہاں ٹھیک ہے۔ میں بھی آ رہا ہوں۔" انھوں نے جلدی جلدی کہا اور پھر ریسیور رکھتے ہی رفتار بڑھا دی:

"لو بھئی۔ شاید ہم کامیابی کے بہت نزدیک پہنچ گئے۔"

"یہ کامیابی بھی عجیب چیز ہے۔ پل میں بہت دُور اور پل میں بہت نزدیک نظر آنے لگتی ہے۔"

"کامیابی جو ٹھہری۔" فاروق مسکرایا۔

"انکل نے کیا اطلاع دی ہے؟"

"جس کی نگرانی کی ہدایت میں نے دی تھی۔ وہ اس وقت شہر سے باہر کا رُخ کر رہا ہے۔ اور اس کے پاس ایک عدد کار بھی ہے، لیکن اس کا رنگ نیلا نہیں۔ سُرخ ہے۔"

"کک۔ کیا مطلب؟" فرزانہ بولی۔

"بھئی سیدھی سی بات ہے۔ مجرم کے پاس ایک سے زائد کاریں ہیں۔"

"نہیں۔ اس کا ایک اور مطلب بھی بنتا ہے۔" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"ایک اور جو مطلب بنتا ہے۔ وہ تم بتا دو، کیوں کہ تم

مطلب بتانے کی بہت ماہر ہو نا۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"مجھے کیا ضرورت ہے بتانے کی۔ اپنی عقل بھی کبھی استعمال کر لیا کرو۔"

"کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ مجرموں کے پاس کار تو سُرخ رنگ کی ہی ہے، لیکن۔"

"اوہو۔ یہ اکرام کو کیا ہوا؟" انھوں نے اپنے والد کی آواز سُنی۔

چونک کر سامنے دیکھا تو اکرام سڑک کے کنارے کھڑا نظر آیا۔ چند قدم آگے اس کی جیپ بھی موجود تھی۔ نزدیک پہنچ کر انھوں نے پوچھا:

"کیا ہوا اکرام؟"

"وہ بہت چالاک نکلا۔ اس نے تعاقب کو محسوس کر لیا، اور سڑک پر کیلیں گراتا چلا گیا۔ میری جیپ پنکچر ہو چکی ہے۔"

"اوہ۔ میں نے کہا تھا نا۔ کہ اسے تعاقب کا شک بھی نہ ہونے پائے۔" انسپکٹر جمشید نے افسوس زدہ انداز میں کہا۔

"میں نے تو ہر ممکن کوشش کی تھی سر، لیکن شاید وہ بہت پہلے نگرانی کا اندازہ لگا چکا تھا۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔ تم ہمارے ساتھ آجاؤ۔"

"لیکن آپ کی کار بھی پنکچر ہو جائے گی۔"

"نہیں۔ میں اس جگہ سے کچے میں اُتر جاتا ہوں۔ اور کافی دُور آگے جا کر سڑک پر گاڑی چڑھا لوں گا۔ اس طرح کار پنکچر نہیں ہو گی۔"

"لیکن سر۔ پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے۔ اور اس طرح اور دیر ہو گی۔"

"ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔" انھوں نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

آخر اکرام ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ وہاں سے آگے روانہ ہوئے اور بہت دُور جا کر سڑک پر چڑھے۔ اب ان کی کار ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

"شاید اب ہم اس کا سُراغ نہ پا سکیں۔"

"کوئی بات نہیں۔ دیکھا جائے گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

ان کا سفر جاری رہا۔ ایک جگہ انسپکٹر جمشید نے کار روک دی:

"کیا بات ہے سر؟"

"دائیں طرف ایک سڑک جا رہی ہے۔ اور یہ سڑک ہماری جانی پہچانی ہے۔" انسپکٹر جمشید مُسکرائے۔

"جی کیا مطلب؟" وہ تینوں چونکے۔

"کیا تم اس سڑک کو نہیں پہچانتے؟"

"بالکل پہچانتے ہیں۔"

"تب پھر۔ ہم سامنے جانے کی بجائے اس سڑک پر چلیں گے۔"

"ل ـ لیکن ـ ابا جان ـ یہ سڑک تو" محمود کہتے کہتے رُک گیا۔

"ہاں ـ تم ٹھیک سمجھے ـ اسی لیے تو مَیں اس سڑک پر مُڑنے پر مجبور ہُوں۔"

"تت ـ تو کیا ـ انکل اکرام نے آپ کو اسی کے بارے میں اطلاع دی تھی" فارُوق پُرجوش آواز میں بولا۔

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"اوہ ـ اوہ" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

اب تینوں پر بلا کا جوش طاری ہو چکا تھا اور کار ہوا سے باتیں کر رہی تھی۔ ✿

آخری گولی

کار گرد اڑاتی ایک ویران علاقے سے گزر رہی تھی کہ دائیں طرف انھیں ایک کھنڈر نظر آیا:

"کیوں نہ ہم پہلے اس کھنڈر کو دیکھتے چلیں" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہ ہاں! یہ مناسب رہے گا ـ ظاہر بات ہے ـ وہ ایسا کام اپنے گھر میں تو کر نہیں سکتا۔"

"ویسے اسے یہ کام کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟"

"بھئی ـ انتہا درجے کا طاقت ور بننا کون پسند نہیں کرتا ـ ایک ملی لیٹر کا سواں حصہ کسی انسان کو دے کر اس سے ہزاروں روپے وصول کیے جا سکتے ہیں ـ ذرا سوچو ـ اس طرح ایک شخص دنوں میں کس قدر دولت مند ہو جائے گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

اور کار کا رُخ کھنڈر کی طرف مُڑ گیا۔ جلد ہی فرزانہ نے چہکتی آواز میں کہا:

"میں کار کے ٹائروں کے تازہ نشانات دیکھ رہی ہوں۔"

"تب تو امکان زیادہ اسی جگہ کا ہے؛ تاہم اگر وہ یہاں نہ ہوا۔ تو بھی اس علاقے کے آس پاس کسی غیر آباد جگہ ہی ملے گا۔ آبادی میں تو یہ کام کیا ہی نہیں جا سکتا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

ابھی وہ کھنڈر سے کچھ فاصلے پر تھے کہ انھوں نے کھنڈر میں کسی کا سایہ دیکھا۔ اور پھر فوراً ہی سایہ غائب ہو گیا۔

"شاید اس نے ہمیں آتے دیکھ لیا ہے۔ اندھا دھند آگے بڑھنا خطرناک ہوگا۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے کار روک لی۔ اور بولے:

"اکرام تم دائیں طرف سے، میں بائیں طرف سے۔ یہ تینوں پچھلی طرف سے آگے بڑھیں گے۔ اس کی فائرنگ کے جواب میں ہم فائر نہیں کریں گے۔ میں ہر حال میں اس کو زندہ گرفتار کرنا چاہتا ہوں۔"

اب وہ جھکے جھکے آگے بڑھنے لگے۔ اچانک ایک فائر ہوا اور گولی انسپکٹر جمشید کے سر پر سے گزر گئی۔ فائر نے معاملہ صاف کر دیا۔ مجرم اسی جگہ چھپا ہوا تھا۔ وہ ٹیلوں اور درختوں کی اوٹ لے کر آگے بڑھتے رہے۔ دوسرا فائر ہوا اور اس مرتبہ گولی اکرام کے کپڑوں کو چھوتی گزر گئی۔ اگر اکرام پھرتی کا مظاہرہ نہ کرتا تو اس کا کندھا تو ضرور زخمی ہو گیا تھا۔

"کم بخت بہت چالاک ہے۔ چاروں طرف دیکھ رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن وہ کب تک خود کو بچا سکے گا۔ ہم مدد بلا سکتے ہیں۔" اکرام نے دُور سے کہا۔

"نہیں بھئی۔ ہم کسی کو نہیں بلائیں گے۔"

اسی وقت تیسرا فائر ہوا۔ اور اس بار گولی محمود، فاروق اور فرزانہ پر چلائی گئی تھی۔ لیکن وہ اس وقت مکمل طور پر درخت کے پیچھے تھے۔ گویا وہ انھیں ڈرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم پاگل ہو گئے ہو۔ خود کو قانون کے حوالے کر دو، اب بچ نہیں سکو گے۔"

دُوسری طرف سے کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ البتہ ایک فائر ضرور کیا گیا۔

"آخر کار تمھارے پاس گولیاں ختم ہو جائیں گی، پھر تم کیا

کرو گے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

اب بھی اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ بس وقتاً فوقتاً گولیاں چلاتا رہا۔ وہ بھی کسی نہ کسی طرح آگے بڑھتے رہے، آخر کھنڈر کے نزدیک پہنچ گئے۔ اور پھر انھوں نے ٹرچ ٹرچ کی آواز سُنی:

"تو تمھارے پاس گولیاں ختم ہو گئیں۔ بہتر یہی ہے کہ ہاتھ اُوپر اُٹھا کر سامنے آ جاؤ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

ادھر خاموشی ہی رہی۔

"اب میں رُک نہیں سکتا۔"

یہ کہ کر انسپکٹر جمشید سامنے آ گئے اور کھنڈر کی طرف دوڑ پڑے۔ اکرام نے بھی یہی کیا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے بھی محسوس کر لیا کہ وہ دوڑ کر کھنڈر کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ وہ بھی اوٹ سے نکل آئے۔ پھر پانچوں ایک جگہ جمع ہو کر آگے بڑھے ہی تھے کہ ایک کرخت آواز کانوں سے ٹکرائی:

"خبردار۔ ہاتھ اوپر اُٹھا دو۔ ورنہ میں گولی مار دوں گا۔"

"تمھارے پستول میں گولی کہاں؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس خیال میں نہ رہنا۔ یہ لو۔ میں ایک فائر کرتا ہوں۔" آواز آئی۔

فائر ہوا اور گولی ان کے سروں پر سے گزر گئی۔ وہ یک دم نیچے بیٹھ گئے۔

"نیچے بیٹھ کر بھی کچھ نہیں بنے گا۔"

"بس تم آخری گولی چلا چکے ہو۔ اب سامنے آ جاؤ۔"

"کیا کہا۔ آخری گولی۔ اچھا تو پھر ایک گولی اور لو۔"

ایک فائر اور ہوا، پھر قہقہے کی آواز سُنائی دی۔ اور اس نے کہا:

"ابھی تو میرے پاس سَو سے زیادہ گولیاں موجود ہیں۔"

"اس کے باوجود تم نہیں بچ سکو گے۔"

"کیوں۔ اب تو تم لوگ بالکل میری زد پر ہو۔"

"اگر زد پر ہیں تو پھر گولی کیوں نہیں چلاتے؟"

"پہلے تم سے سودے کی بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"حد درجے منافع بخش اس کاروبار میں تم بھی میرے ساتھ شامل ہو جاؤ۔"

"انسانی خُون کی قیمت وصول کرنے کے بارے میں ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ تم پاگل ہو۔"

"ہاں! آپ نے ٹھیک کہا۔ میں پاگل ہوں۔ اور ایک پاگل جو کچھ کر گزرے۔ کم ہے۔ لہٰذا اب تم لوگ بھی دُوسری دُنیا

کو سدھار جاؤ۔"

اس کے ان الفاظ کے ختم ہونے سے پہلے ہی وہ لوٹ لگا گئے۔ اور لڑکھڑاتے ہوئے کھنڈر سے باہر آ گئے۔ اب انھوں نے مختلف ٹیلوں کی اوٹ لے لی۔

"یوں کام نہیں چلے گا۔ ہمیں بھی چال چلنا ہو گی۔" انسپکٹر جمشید نے سرگوشی کی۔ اور پھر اشاروں میں اکرام کو سمجھایا۔ اس نے اپنا پستول نکال لیا اور ایک فائر اندھا دھند کھنڈر کی طرف کر دیا۔

انسپکٹر جمشید وہاں سے مڑے اور چکر کاٹنے لگے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ نے دوسری طرف سے چکر کاٹنا شروع کیا۔ اس طرح وہ کھنڈر کے دوسری طرف آ گئے۔ ادھر اکرام برابر فائرنگ کر رہا تھا جس کی وجہ سے مجرم یہ سمجھنے پر مجبور تھا کہ وہ لوگ سامنے ہی موجود ہیں۔

اور اس طرح وہ چاروں اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ اب انھوں نے اس سمت میں رینگنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ اس کی کمر پر پہنچ گئے اور پھر انھوں نے یکدم اس کے پستول والے ہاتھ پر اپنے دائیں ہاتھ کی ہڈی دے ماری۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ جسے فرزانہ نے فوراً اٹھا لیا۔ دوسرے ہی لمحے انسپکٹر جمشید پکارے:

"بس اکرام۔ اب فائر نہ کرنا۔ ہم نے اسے دبوچ لیا ہے۔"

ادھر وہ ان کی گرفت سے نکلنے کے لیے زور لگا رہا تھا:

"نہیں رمضان صاحب۔ بہت مشکل ہے۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"آپ۔ آپ احمق ہیں۔ میرے ساتھ شریک ہو کر زندگی بھر عیش کریں۔"

"نہیں بھئی۔ ہم مرنے کے بعد عیش کرنے پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ دنیا تو عارضی ہے۔ اس کے بارے میں تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ دنیا میں ایک مسافر کی طرح رہو۔ یہاں ہمیں ہمیشہ تھوڑا ہی رہنا ہے۔ پھر کیوں اتنے لمبے چوڑے منصوبے بنائیں۔ ہاں جائز ذرائع ضرور اختیار کریں۔" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

اسی وقت اکرام وہاں پہنچ گیا۔ اس نے مجرم کے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈال دی۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی مسٹر مجرم۔ جمّو کے ذریعے تم نے ایک آدمی کو ہلاک کروایا یا دونوں کو؟"

"دونوں کو۔ میں اتنا بھیانک کام اپنے ہاتھ سے کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔"

"لیکن جمّو کو معاوضہ کہاں سے ادا کیا؟"

"ایک دوست سے قرض لے کر۔ اسے میں نے ایک بہت
منافع بخش کاروبار میں شرکت کا لالچ دیا تھا، لیکن اصل بات
نہیں بتائی تھی۔ اس دوست کو مجھ پر اعتماد تھا۔ اس لیے
اس نے رقم دے دی۔ یہ کار بھی اسی سے مانگی تھی۔"

"ہُوں۔ ہم تمھاری سوچ پر صرف افسوس ہی کر سکتے
ہیں، کیوں کہ ناجائز ذریعے سے دولت حاصل کرنا بہرحال بُرا
ہے، لیکن تم نے جو طریقہ اختیار کیا۔ وہ گھناؤنا ہے۔"

"آپ کو نہیں معلوم۔" اس نے بُرا سا منہ بنایا۔

"کیا نہیں معلوم؟"

"اس دولت نے مجھے بہت ترسایا ہے۔ مدتوں میں اسے
حاصل کرنے کے لیے تڑپتا رہا ہوں، لیکن یہ مجھ سے ہمیشہ دُور
بھاگتی رہی۔ میں نے اس کے لیے کیا کیا جتن نہیں کیے۔ کیا
کیا طریقے اختیار نہیں کیے۔ لیکن میں اس کو حاصل نہ کر
سکا۔ آخر ایک دن میں نے پروفیسر لقمان کا مضمون پڑھا،
اور میرا ذہن تانے بانے بنانے لگا۔ بہت دنوں تک تو میں
منصوبے ہی بناتا رہا۔ پھر کسی طرح مجھے مجو کے بارے میں
معلوم ہوا۔ مجو دراصل کرائے کا قاتل ہے۔ اور اس کے اڈے
میں بیٹھنے والے لوگ بھی یہی کچھ کرتے ہیں۔"

"اس کے باوجود میں یہی کہوں گا۔ تم نے بہت گھناؤنا

طریقہ اختیار کیا۔ انسانوں کے خون سے ہولی کھیل کر خوشیوں
کے چراغ جلانا بے وقوفی ہے۔ ایسے چراغ نہیں جلا کرتے،
اب تم تو جیل چلے جاؤ گے۔ اور تمھارے گھر والے دُنیا
میں مصیبتیں بھریں گے۔ کیا اس سے یہ بہتر نہیں تھا کہ تم
اپنی تنخواہ میں ہی صبر شکر سے کام چلاتے رہتے۔"

"آپ۔ آپ نہیں جانتے۔ دولت حاصل کرنے کی خواہش میں
میں کس قدر دُور نکل چکا ہوں۔" اس نے کہا۔

"لیکن اب تم اور بھی دُور نکل گئے ہو۔ اتنا دُور کہ
واپس آنا ممکن نہیں رہا۔" انسپکٹر جمشید نے دُکھ بھرے لہجے میں
کہا۔

اس کا سر جھک گیا۔ اور وہ وہاں سے شہر کی طرف روانہ
ہو گئے۔ ایسے میں فرزانہ بولی:

"لیکن وہ دُوسرا مقتول کون تھا۔ یہ اب تک معلوم نہیں
ہو سکا۔"

"دُنیا میں اکیلا آدمی تھا۔ رہتا بھی تھا ایک الگ تھلگ
جگہ پر۔ شاعر قسم کا آدمی تھا۔ تنہائی پسند۔ نہ کسی سے ملنا،
نہ کسی سے بات کرنا۔ میں نے اس کے بارے میں بھی
پہلے اچھی طرح معلوم کیا تھا۔ اور پھر اپنے کیمرے سے
اس کی تصویر کھینچی تھی۔"

"ہوں۔ اسی لیے کوئی اس کی تلاش میں نہیں آیا۔" محمود بولا۔
مجرم کو قانون کے حوالے کرکے وہ گھر پہنچے۔ بیگم جمشید
بُرے بُرے مُنہ بنا رہی تھیں۔

"کیوں بھئی۔ کیا ہوا؟"

"وہ۔ وہ۔ سوئیوں کا زردہ۔"

"ارے۔" اُن کے مُنہ سے ایک ساتھ نِکلا۔
سوئیوں کے زردے کو تو وہ بھول ہی گئے تھے۔

مُردے چور

کا انعامی سوال

س: نیلی اور سُرخ کار کے سوال پر فرزانہ دُوسرا مطلب کیا نِکال رہی تھی؟

- پانچ قارئین کو آیندہ دو ماہ کے ناول فی کس انعام میں دیے جائیں گے۔
- موصول ہونے والے تمام درست جوابات کی قرعہ اندازی کی جائے گی۔
- جواب کاپی سائز کاغذ پر لکھیں۔
- ہر کاغذ پر اپنا نام اور پتا ضرور لکھیں۔
- ہر سوال کا جواب الگ الگ کاغذ پر لکھیں۔
- جوابات ہر ماہ کی پندرہ تاریخ تک وصول کیے جاتے ہیں۔

ادارہ